حماسۂ کربلا

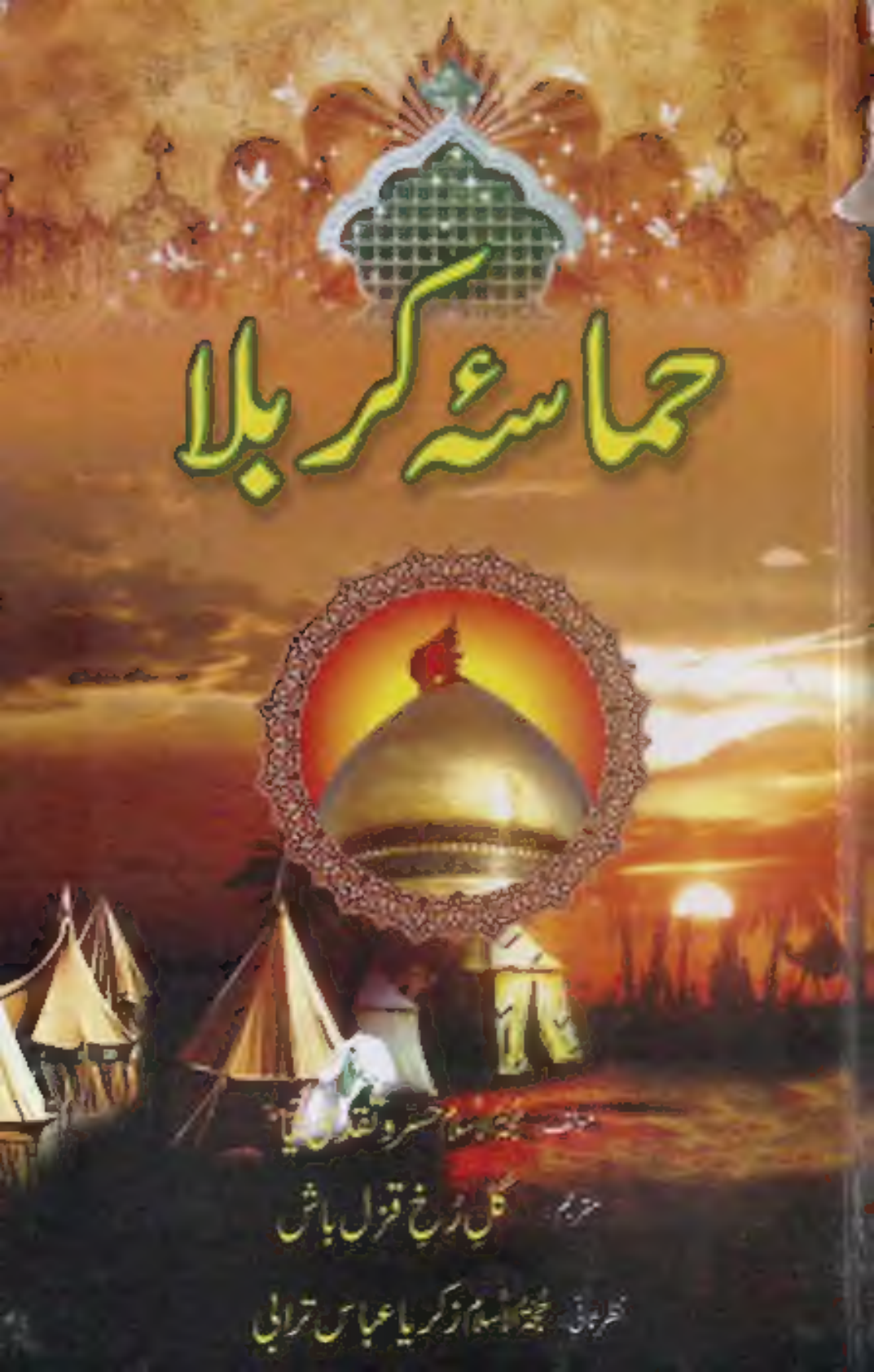

مؤلف: حجۃ الاسلام حسرو تقدس یا

مترجم: گل رُخ قزل باش

نظر ثانی: حجۃ الاسلام زکریا عباس ترابی

حماسۂ کربلا

۷۲ سوالات کے جوابات

حجۃ الاسلام خسرو تقدسی نیا

مترجم

محترمہ گل رخ قزلباش

نظر ثانی

حجۃ الاسلام زکریا عباس ترابی

ناشر

ادارہ القائم

بھروانہ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب : حماسۂ کربلا

تالیف : حجۃ الاسلام خسرو قدسی نما

مترجم : محترمہ گل رخ قوالباش

نظر ثانی : حجۃ الاسلام ذکریا عباس ترابی

اشاعت : جون 2014ء

ہدیہ:

ادارہ القائم

بھروانہ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حماسۂ کربلا

۷۲ سوالات کے جوابات

انتساب

محسن انسانیت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام
کے مکتب کے اس طالب علم
کے نام جو ایک بہترین شوہر ہے۔

(مترجم)

ترتیب

- عرض مترجم 15
- پیش گفتار 16
- قیام امام حسین علیہ السلام کے عوامل اور بنیادیں کیا تھیں؟ 18
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اعلان شدہ حکومت کے قیام سے انحراف! 18
- خلیفہ کے انتخاب کی کیفیت 19
- عوام میں معاویہ و یزید کی اصل وحقیقت کا فقدان 19
- کیا امیر شام ایک مجرم تھا؟ 21
- حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم 22
- امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جھوٹی احادیث گھڑنا 22
- بے گناہ اصحاب رسول اور مسلمانوں کا قتل 23
- زہر دینے کی سنت امویہ کا قیام 24
- نسلی امتیاز کو فروغ 24
- پیغمبر اسلام سے دشمنی 24
- مقدس مذہبی وشرعی احکامات سے کھیلنا 25
- کم عقلوں اور ناپاکوں سے خدمت لینا 25
- علی علیہ السلام پر جنگ مسلط کرنا 25

- خلافت کو خاندان کی میراث بنانا 25
- کیا یزید ایک مجرم تھا؟ 27
- حکومت اسلامی کی حکومت نسلی میں تبدیلی 27
- اسلامی قوانین کی بے حرمتی 27
- جاسعات میں کھلم کھلا جرام کاریوں کی ترویج 27
- امام حسین علیہ السلام کی شہادت 28
- مدینہ میں وحشیانہ اندازی اور غارت گری 28
- خانہ خدا پر آگ برسانا 28
- امیر شام اور یزید کی حکومتی پالیسی میں کیا فرق تھا؟ 29
- کوفی امام حسینؑ کو جنگ میں کیوں چھوڑ گئے؟ 31
- ① زر و خوف 31
- ② مال دنیا کی خواہش اور لالچ 32
- ③ سیاسی مقاصد کا حصول 32
- ④ دور رسالت سے ناواقف نسل نو 32
- قیام امام حسینؑ کا فلسفہ کیا تھا؟ 34
- نجات اسلام 34
- یزیدی حکومت کا قیام غلط ثابت کرنا 35
- علیؑ پر سب و لعن کا خاتمہ کرنا 35
- عادل حکومت کا نفاذ 35
- اپنے قتل کا علم 36

- خاندان اُمیہ کی مسعود کی حکومت کا خاتمہ 36
- کیا پیغمبر اکرمؐ نے شہادت امام حسینؑ کی خبر دی تھی؟ 37
- انس بن حارث کی روایت 38
- کیا امیر المومنینؑ کو شہادت حسینؑ کی خبر دی گئی تھی؟ 40
- شیبان بن مخرم کی روایت 41
- براء بن عازب کی روایت 41
- ہرثمہ بن سلیم سے روایت 41
- ائمہ کرامؑ نے واقعۂ کربلا کو زندہ رکھنے کا طریقہ کیوں قائم کیا؟ 43
- امام حسینؑ نے امام حسنؑ کی طرح صلح کیوں نہ کی؟ 45
- امام حسینؑ نے اپنے والد کی طرح سکوت کیوں نہ اختیار کیا؟ 48
- اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا نہ کرتا 49
- تو وہ پھر بھی قیام کرتے؟ 49
- کیا امام کا قیام محض اہل کوفہ کی دعوت پر مبنی تھا؟ 52
- امام حسینؑ نے اہل کوفہ کی دعوت کیوں قبول فرمائی؟ 54
- کیا یزید قتل حسینؑ کا ارادہ رکھتا تھا یا کہ محض بیعت کا متمنی تھا؟ 56
- امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کا بار کیوں نہ اٹھایا؟ 57
- کیا امامؑ نے بیعت یزید کا کبھی کوئی وعدہ کیا تھا؟ 60
- عمر اطرف کو جواب 60
- محمد بن حنفیہ کو جواب 60
- مروان بن حکم کو جواب 61

- ولید بن عتبہ کو جواب 61
- قیس بن اشعث کو جواب 61
- امام حسینؑ نے تجزیہ سے یزید کی حکومت 63
- کیوں دگرگوں ہے؟ 63
- آخر کیوں امامؑ کسی ترکیب سے حضور فاسد (یزید) کو نظام سے نکال کے اور اس کے برعکس خود اس سے نکل گئے؟ 64
- کیا امام حسینؑ نے کسی خاص حکمت عملی کو اپنایا تھا؟ 66
- کیا یزید کی حکومت کے انکار اور اس کی سرنگونی کے لیے امام حسینؑ کا شہادت پانا ناگزیر ہو چکا تھا؟ اور کیا امامؑ نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی شرائط کو ملحوظ رکھ کر یہ عمل انجام دیا؟ 69
- کیا شہادت پانا امامؑ کی مجبوری تھی؟ 72
- ان اللہ شاء ان یراک قتیلا میں شاء سے کیا مراد ہے؟ 72
- "شاء" تکوینی ہے؟ 72
- "شاء" تکریمی ہوگی؟ 73
- کیا امام حسین علیہ السلام کا قیام اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا تھا؟ 74
- امام حسینؑ کے لیے یزید کے اس قدر شدید عمل کا فلسفہ کیا تھا؟ 77
- عظمتِ امام حسین علیہ السلام 77
- خاندانِ رسولؐ سے ذاتی دشمنی 78
- امام حسینؑ کا یزید کی بیعت سے انکار اور حکمت عملی 78
- امام حسینؑ کا بنی امیہ کی حکومتی مشینری پر اعتراض 78

- یزیدی سیاست 79
- امام حسینؑ نے امیر شام کے دور میں قیام کیوں نہ کیا؟ 80
- کیا امام حسینؑ کو اپنے قتل ہونے کا علم تھا؟ 83
- امام حسینؑ نے اپنے قتل کے علم کے باوجود کیوں قیام کیا؟ 87
- امام حسینؑ اپنے ہمراہ کربلا میں خاندان کو کیوں لائے؟ 90
- کن گیارہ افراد نے امام کی تحریک کی مخالفت کی اور انھیں بیعت کرنے یا محفوظ مقام پر جانے کی تجاویز دیں؟ 93
- مروان بن حکم 93
- اُم المومنین ام سلمہؓ 95
- عمر اطرف 95
- محمد بن حنفیہ 96
- عبداللہ بن عمر 97
- عبداللہ بن عباسؓ 98
- عبداللہ ابن زبیر 99
- عبداللہ بن جعفر 101
- فرزدق 102
- طرماح بن عدی 102
- کیا امام حسینؑ کا ہدف اپنی حکومت تشکیل کرنا تھا؟ 104
- قبر رسول اللہ ﷺ اور منبر کے سرہانے 105
- مکہ میں خطاب 106

- حدیث: ان اللہ شاء ان یراک قتیلاً 106
- حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہؓ 108
- کیا امام کا مکہ اور پھر کوفہ کا سفر متعین شدہ اساس پر تھا یا اسے بیعت سے گریز کے لیے اختیار کیا گیا؟ 109
- امام حسینؑ کا مکہ کی طرف ہجرت کا ابتدائی فلسفہ کیا تھا؟ 111
- امام حسینؑ نے بیابانوں (چور راستوں) سے سفر کرنے سے کیوں اجتناب کیا؟ 112
- یزید نے امام حسینؑ بن علیؑ کو مکہ میں قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟ 114
- کیا امام حسینؑ کا مکہ سے خروج قتل ہو جانے کے خوف کے باعث وقوع پذیر ہوا؟ 116
- امام حسینؑ نے حج کے دوران کیوں مکہ چھوڑا؟ 117
- کیا کوفہ میں جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی امام حسینؑ سے کی گئی گزارش غلط تھی؟ 119
- امام حسینؑ نے عمر سعد اور عمرو کو اپنے واپس لوٹ جانے کی پیشکش کیوں کی؟ 124
- ابن زیاد نے ہزار افراد کے مقابلے میں اسی ہزار کا لشکر کیوں کربلا میں بھیجا؟ 127
- کیا امامؑ نے کربلا کے ارادہ سے سفر نہیں کیا تھا؟ 128
- کیا سپاہ امامؑ سے کوئی فرد لشکر یزید میں شامل ہوا؟ 131
- عمر بن یزید ریاحی کیوں امامؑ کے ساتھیوں میں شامل ہوئے؟ 132
- بلند ہمتی کے نقطہ نظر سے سپاہ امامؑ کا قوی ہونا 133
- امام حسینؑ سے حرؑ کی شناسائی 133
- عدد اصحاب حرؑ 133
- وجدان حرؑ 133
- امام حسینؑ نے شب عاشور گزارنے کی مہلت کیوں طلب کی؟ 137

- امام حسینؑ ایک طرف اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کی اجازت دیتے تھے تو دوسری طرف دوسروں کو اپنی مدد کے لیے بلاتے تھے؟ کیوں؟ 139
- کیا شب عاشور خیام میں پانی لایا گیا تھا؟ 141
- امامؑ نے شب عاشور سونا تو پسند کیوں فرمائی؟ 142
- کیا اصحاب امام کا مرتبہ اصحاب بدر و صفین سے بڑھ کر ہے؟ 144
- کیا امامؑ نے جنگ کی ابتدا کی تھی؟ 146
- کیا امام حسینؑ نے (اپنے جد کی) امت کے گناہوں کی بخشش کی خاطر شہادت پائی؟ 148
- کربلا کے میدان جنگ میں کتنے شہداء 150
- اہل بیت حسینؑ میں سے تھے؟ 150
- سپاہ امامؑ سے پہلا شخص کون تھا جو 151
- دار و میدان جنگ ہوا تھا؟ 151
- خاندان بنی ہاشم میں سے پہلا شہید کون تھا؟ 153
- کیا حضرت علی اکبرؑ امام سجادؑ سے بڑے تھے؟ 155
- کیا حضرت قاسم بن حسنؑ امام حسینؑ کے داماد تھے؟ 156
- کیا جناب لیلیٰ مادر حضرت علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں؟ 159
- کیا امام محمد باقرؑ یوم عاشورا کربلا میں موجود تھے؟ 161
- کربلا میں اجساد شہداء کی تدفین کن لوگوں 162
- کے ذریعے انجام پائی؟ 162
- شہدائے کربلا کے سروں کو کہاں دفن کیا گیا تھا؟ 163

- کیا امامؑ کے ساتھیوں میں سے کوئی زندہ بچا تھا؟ 165
- عمر بن سعد کربلا میں کن کن گناہوں کا مرتکب ہوا؟ 167
- دوران اسیری اہل بیتؑ کی تبلیغ کی نوعیت کیا تھی؟ 169
- زینبؑ عالیہ نے دوران اسیری کن مقامات پر 172
- خطابات ارشاد فرمائے؟ 172
- مقام اول: کوفہ 172
- مقام دوم: دربار ابن زیاد 174
- مقام سوم: دربار یزید (شام) 177
- امام سجادؑ نے کن کن مقامات پر خطابات ارشاد فرمائے؟ 184
- کوفہ 184
- جامع مسجد دمشق میں خطبہ 187
- مدینہ منورہ میں خطبہ 193
- کیا اہل بیتؑ امام کربلا میں روز اربعین آئے تھے؟ 197
- امام حسینؑ کی قبر مبارک کا اولین زائر کون تھا؟ 202
- کیا حماسہ کربلا پر خواتین نے اپنے نقوش رقم کیے تھے؟ 205
- قیام امام حسینؑ سے کیا اثرات و نتائج برآمد ہوئے؟ 207
- اسلام اور خلفاء کے مقابل قیام کا تجزیہ 207
- اسلام کے پودے کو ثمر ثمر بار بنانا 208
- کعب حسینؑ کی حفاظت 209
- شمر بن ذی الجوشن اور ابن زیاد کے جرائم کیا تھے؟ 210

- یزید کی موت 210
- عبداللہ ابن زیاد کے جرائم 211
- شمر بن ذی الجوشن کا انجام کیا ہوا؟ 212
- ابن زیاد کا انجام کیا ہوا؟ 213
- عمر سعد کا انجام کیا ہوا؟ 214
- شہادت امام حسینؑ کے بعد کون کون سے قیام وقوع پذیر ہوئے؟ 216
- انقلاب مدینہ یا واقعہ حرہ 216
- عبداللہ بن زبیر کا قیام 217
- قیام توابین 219
- قیام مختار 220
- مناخ 222
- مولف کی دیگر کتب 224

عرضِ مترجم

اس کتاب کا ترجمہ مجھ ناتواں کی پہلی کوشش، میرے شوہر کی مہربانی، شفقت و سرپرستی اور ترغیب پر مصر فضیلت آقا ذکریا عباس ترابی کے پُرزور اصرار اور جستجو کا ثمر ہے۔ کسی بھی گھریلو خاتون کے لیے ذمہ داریوں کو انجام دینے کے بعد قدرے قلیل فرصت میسر ہو پاتی ہے کہ وہ کسی اور نوعیت کے اُمور کو انجام دے سکے۔

میں اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہوں کہ خداوند کریم نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقے مجھے ایسا سرپرست (شوہر) اور گھر عطا فرمایا کہ جب کبھی مجھ سے اس کام کی ادائیگی میں کوتاہی بوجہ اُمورِ خانہ داری انجام پاتی تھی تو مجھ سے دیگر تمام اُمور کا بیڑہ اپنے سر پہ اٹھا لیا جاتا تھا، یہ کہہ کر کہ آپ ایک اہم مقصد کو انجام دے رہی ہیں لہٰذا اس سے کوتاہی نہ کیجیے۔

میں خدا سے بصدقِ دل دعا گو ہوں کہ خداوند کریم اس کوشش میں شامل تمام حضرات کو بلند درجات عطا فرمائے آمین!

اپنے تمام محترم قارئین سے دست بستہ عرض ہے کہ وہ اس ترجمے میں اگر معیارِ زبان کی کمی پائیں تو اسے میری پہلی کوشش سمجھ کر درگزر فرمائیں

اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں کی اصلاح فرمائیں۔

التماسِ دعا!

گل رخ قزلباش

پیش گفتار

قیام امام حسین علیہ السلام ایک ایسا حقیقی انقلاب تھا کہ جس نے کفر والحاد اور فسق و فجور کے تمام ریشوں کو درہم برہم کرڈالا اور خاندان بنی اُمیہ کو اس طرح سے رسوا کردیا کہ یزید کے بعد بنی اُمیہ کی حکومت خاموشی سے ختم ہوگئی۔

امام حسین علیہ السلام کا قیام نہ تو حکومت کی تشکیل کے لیے تھا اور نہ ہی محض ایک خاندان یا قبیلے کا قیام تھا بلکہ امام حسین علیہ السلام کا ہدف ایک فاسق حکومت سے اسلام کی نجات، احکامات اسلامی کی اشاعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احیا تھا کہ جس کے متعلق آپؑ نے متعدد مرتبہ تاکید فرمائی تھی۔ ان اہداف کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا آغاز کیا اور اسے اپنی اور اپنے اصحاب و اہل خانہ کی شہادت سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اہل بیتؑ نے اسے فتح مندی سے ہمکنار کرتے ہوئے طاقت ور باطل اور منحرف حکومتوں کو تہہ و بالا کرڈالا۔ قیام امام حسین علیہ السلام سفینہ کے ماجرے اور شوریٰ کے مسئلے سے نہایت قریبی تعلق رکھتا ہے لہٰذا ضرورت یہ ہے کہ قیام امامؑ کی وجوہات کی جستجو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے کی جائے۔

وفات رسولؐ اللہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور ان کے فرزندان و اصحاب نے اسلام کی حدود میں رہ کر اس کا دفاع کیا اور دشمنوں کو اسلام میں تحریف و تصرف کرنے کی روک تھام کی۔ اس راہ میں حضرت علی علیہ السلام نے پند و نصائح کو استعمال کیا۔ ان کے بعد ان کے فرزند امام حسن علیہ السلام نے جہادی کاوشوں کو سرانجام دیا مگر اجتماعی حالات و واقعات

نے اجازت نہ دی کہ آپؑ قیام کے لیے اٹھتے۔ ان کی معاویہ سے صلح ہی وہ بنیادی اساس ہے جس نے درحقیقت قیام امام حسین علیہ السلام کو مناسب موقع و محل فراہم کیا۔

قیام امام حسین علیہ السلام اعلیٰ انسانی و اخلاقی ترجیحی آثار سے اس قدر بہرہ مند ہے کہ اس کے بعد رونما ہونے والے تمام تر انقلابات اس پر فضیلت حاصل نہیں کر سکتے۔ امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقام، اسلامی تاریخ میں مطلق تفوق کی مالک ہے جو بعد میں برپا ہونے والے تمام انقلابوں اور آزادیوں کا بنیادی پروردہ ہے۔

حاضر خدمت مجموعہ، ان شبہات کے جوابات کی تلاش ہے، جو امام حسین علیہ السلام کے اس خون آلود قیام سے مربوط ہونے کی بنا پر وجود میں آئے۔ اسی لیے اس کا نام "حماسۂ کربلا پر بعض سوالات" رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں جہاں تک ممکن ہوا کوشش کی ہے کہ جوابات، بطور جوہر کامل و مختصر تر عین موضوع دیے جائیں تاکہ معزز قارئین کے لیے قابل استفادہ قرار پائیں۔

خداوند کریم سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں روز قیامت شفاعت امام حسینؑ بن علیؑ نصیب فرمائے۔ (آمین)

حسن نقدی نیا (شکر دی)

۲۸ فروردین ۱۳۷۵ مطابق

۲۸ ذی القعدہ ۱۴۱۶ھ

1

قیامِ امام حسین علیہ السلام کے عوامل اور بنیادیں کیا تھیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اعلان شدہ حکومت کے قیام سے انحراف!

قیام امام حسینؑ کے جملہ محرکات اور عوامل میں سے ایک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اعلان شدہ حکومت کے قیام سے انحراف تھا۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل و کفن بھی نہ ہوا تھا کہ سقیفہ کا رخنہ، راہ میں ڈال دیا گیا اور اس کے علاوہ بعض افراد سے جبری بیعت کا تقاضا شروع کر دیا گیا تا کہ اپنی حکومت کو دوام بخشا جا سکے۔ تاہم پچیس سالہ دورِ حکومت میں مکمل طور پر عدالت کی جگہ بے عدلی، مساوات کی جگہ ترجیحات کو اس درجہ مدنظر رکھا گیا اور تمام شرعی قوانین کو فراموش کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ نسبی و مالی غیر منصفانہ ترجیحات اور اسلامی حدود کے عدم اجراء کا معاملہ دوسری حکومت میں ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔

دیکھتے ہیں کہ حکومتی روش اور مسلمانوں کی اجتماعیت پہلے سے کئی گنا زیادہ دگرگوں ہو جاتی ہے حتیٰ کہ قانون شکنی کرتے ہوئے بیت المال کا خزینہ ذاتی کاموں کے لیے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے عزت و احترام کے لیے، اصحاب باوفا رسولؐ کی گرفتاریوں اور جلاوطنیوں جیسے غیر شرعی اخراجات کے لیے روا رکھا گیا۔ اسلام کے عبادی، دیگر شرعی قوانین میں تبدیلیاں اور عمومی حالات کی دگرگونی وغیرہ، حکومت سوم کے عمومی نتائج تھے۔

جب مسلمانوں نے اس واضح قانون شکنی، محروم طبقات کی حقوق میں تجاوزات اور عشرت پرستی کی کثیر بدعتوں کے خلاف اظہار برہمی کیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے عام افراد کی مدد سے امور سلطنت سے معزول کر دیا۔ پہلی حکومتوں کے بعد امیر شام نے اپنی حیلہ بازی اور اہل کوفہ کی بے وفا فطرت کے باعث امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی حکومت کو بدقابلیوں میں تقویت دی۔

امیر شام اس کی موت کے بعد اس کا ناانجام بیٹا اپنے دل میں کفر و عناد اور ظلم و ستم لیے میدان سیاست میں وارد ہوا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی عیاشی، فسق و فجور، عشق بازی، لاپروائی، سگ بازی، مخنث بازی، قمار گری سمیت ایسی کوئی برائی نہیں کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہی ہو۔

خلیفہ کے انتخاب کی کیفیت

قیام امام حسین علیہ السلام کا اہم ترین محرک، خلیفہ کا طرز انتخاب تھا۔ امیر شام نے اس قرارداد صلح کے برعکس عمل سرانجام دیا، جس میں طے پایا تھا کہ اپنے بعد وہ جانشین کا انتخاب نہ کرے گا بلکہ مسلمانوں کے امور کو خود ان کے لیے چھوڑ دے گا۔ اس کے برعکس اس نے اپنے ہاتھ شیعیان علیؑ کے خون سے رنگین کیے۔

عوام میں معاویہ و یزید کی اصل و حقیقت کا فقدان

عوام الناس کی کثیر تعداد امیر شام کی دادودہش کے سبب اس کے نظریات سے آگاہ نہ تھی بلکہ اسے عظیم صحابیوں میں سے ایک سمجھتی تھی۔ اگر معاملہ اسی طرح بڑھتا چلا جاتا تو بعید نہ تھا کہ لوگ حقیقی اسلام کی اصل صورت کو ماسوائے امیر شام کے بتائے ہوئے اسلام کے، پہچان نہ پاتے اور حقیقی دین اسلام گم ہو کر رہ جاتا۔ لہٰذا صورت

صرف یہی نہ تھی کہ لوگوں میں اطلاعات کا فقدان تھا اور وہ تو مسلم کہ جن کی اکثریت نے مجموعی طور پر ان حالات کو تشکیل دیا تھا وہ امیر شام کے پھیلائے ہوئے پراپیگنڈہ کے تحت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو برا جانتے اور ان سے اظہار برأت کرتے تھے بلکہ جاہلیت کی بنا پر وہ لوگ امیر شام کو بحیثیت بزرگ صحابی رسول اور کاتب وحی جانتے تھے۔ یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے قیام کو بنیادیں فراہم کیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان تمام خلاف ورزیوں اور اسلامی انحراف کے باوجود امام حسین علیہ السلام پھر بھی اپنی اصلی راہ پر تسلیم یا سکوت اختیار کر سکتے تھے؟ کیا ان حالات میں ماسوا اس طرح کے قیام و قصد کے کسی اور تدبیر کی گنجائش تھی؟

۲

کیا امیرِ شام ایک مجرم تھا؟

امیرِ شام کے جرائم کی بحث میں داخل ہونے سے پہلے ضمناً اس کی سوانح کو تعارف کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں فتح مکہ تک امیرِ شام اپنے پدر، ابوسفیان کی مانند اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ یہ دونوں بیس سال تک پیغمبر اسلام سے جنگیں لڑتے رہے اور اپنے تمام تر ذرائع سے نورِ اسلام کو گل کرنے کی کوشش اور تگ و دو میں مشغول رہے۔

ساتویں ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر مجبوراً انھوں نے اسلام کی قبولیت کا اعلان کیا۔ امیرِ شام نے اٹھارویں ہجری میں شام کی حکومت سنبھالی اور اس پر بائیس سال تک قابض رہا۔ ان میں سے پانچ برس تک خلیفہ دوم، بارہ برس خلیفہ سوم، پانچ برس امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب اور تقریباً بیس برس حضرت امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ کے زمانے میں اسلامی خلافت پر قابض رہا۔

امیرِ شام خلفائے سفیانی و مروانی کے پہلے افراد کا وہ سرغنہ ہے کہ جس نے ۴۱ ہجری میں مکمل اسلامی حکومت کو اپنے قبضے میں لیا اور ۶۴ سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ وہ دمشق کے باب الصغیر میں دفن ہے۔ آیئے اب معاویہ کے جرائم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم

امیرِ شام نے اپنی مملکت میں اس آئین کو رائج کیا تھا کہ خطباء اپنے خطبوں میں امیر المومنین کو سب وشتم کریں گے۔ اس نے عراق کے حاکم زیاد بن سمیہ کو سرکاری نوشتہ بھیجا کہ جو شخص بھی شیعہ ہو اس کی گواہی کسی بھی معاملے میں قابل قبول نہیں ہے۔ امیرِ شام کا یہ پیدا کردہ فتنہ شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد مزید تیز ہو گیا اور شیعیانِ علیؑ کو کسی بھی جگہ امان میسر نہ رہی۔ اس نے جو نظریہ شیعیانِ علیؑ کے بارے ایجاد کیا تھا اس کی رُو سے کسی کو یہود و نصاریٰ کہا جاتا تو وہ بہتر تھا اس سے کہ اسے شیعہ علیؑ کہا جائے۔ امیرِ شام نے عام الجماعۃ ① کے بعد ایک لپٹا ہوا خفیہ مراسلہ بھیج کر تمام فرمان رواؤں اور عمال میں اعلان کروا دیا کہ ہر وہ شخص جو کہ ابوتراب اور اس کے خاندان کے فضائل بیان کرتا ہے وہ امان میں نہیں ہے۔ اس نے ایک اور مراسلہ کے ذریعے اپنے نمائندوں کو لکھا کہ "اگر وہ لوگ یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص علی علیہ السلام اور اس کے خاندان والوں سے دوستی رکھتا ہے تو اس کا نام حکومتی رجسٹر سے حذف کر دو اور اسے تمام تر حقوق سے محروم کر ڈالو"۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جھوٹی احادیث گھڑنا

امیرِ شام نے اپنے عمال اور کارگزاروں کو لکھا کہ جتنا زیادہ ہو سکے علی علیہ السلام پر جھوٹی احادیث گھڑ ڈالو تاکہ مختلف طریقوں سے ان کو تہمت یافتہ بنا سکو۔ اس خط کے بعد عمال و حکام نے جھوٹی احادیث گھڑنا شروع کیں اور امیر المومنینؑ کو اپنے بہتانوں اور تہمتوں کا نشانہ بنایا۔ بچوں، عورتوں، بڑوں اور مردوں کو، ان کی تعلیم دی گئی اور ان کی مزید اشاعت کی ترغیب دلائی گئی۔ دنیا پرست حکما، فقہا اور قاصیوں نے مال کمانے

---

① وہ سال کہ جس میں امام حسنؑ اور امیرِ شام میں صلح ہوئی۔

کے چکر میں مزید جھوٹی احادیث گھڑنا شروع کر دیں۔ یہ عمل اتنی شدومد سے رواج پا گیا کہ جہاں عام آدمی ان احادیث کو ماننے لگ گئے تھے وہاں دین دار لوگ بھی ان روایات پر یقین کرنے لگے۔

یہی وہ وقت تھا جب حق کو باطل کی جگہ اور باطل کو حق کی جگہ پر ظاہر کیا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب دروغ گوئی کے بازار کو رواج حاصل ہوا۔ امیر شام نے انعام و اکرام کے ذریعے ان کو مزید شوق دلایا۔ اس نے سمرہ بن جندب کو چار لاکھ درہم و دینار دیئے کہ وہ شام کی عوام کے درمیان خطبہ دے جس میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کرے اور کہے کہ یہ آیت (نعوذ باللہ) حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرہ آیت ۲۰۴)

اس کے علاوہ امیر شام کے کہنے پر اسلام میں یہ حرکت بھی کی گئی کہ حدیث گھڑنا اور ان کو نبی کریمؐ کی ذات سے منسوب کرنا عام معمول بنا لیا گیا۔ مثلاً ایک مشہور راوی ہشیم اکرم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "خدا نے تین افراد کو اپنی وحی کا امین بنایا۔ ابوبکر، جبرائیلؑ اور معاویہ"۔

بے گناہ اصحاب رسول اور مسلمانوں کا قتل

امیر شام نے اپنے دور میں بے شمار بے گناہ مسلمانوں اور اصحاب رسولؐ کا قتل کیا جیسے کہ عمرو بن حمق خزاعی، جن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سر نیزے پر چڑھایا، محمد بن ابی بکر، مالک اشتر اور اصحاب رسولؐ حجر بن عدی کا قتل اور دیگر شیعیان علیؑ کا قتل عام۔ یہ تمام حرکتیں اسلام سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔

زہر دینے کی سنت عمرو کا قیام

امیر شام نے امام حسن علیہ السلام، مالک اشتر کو زہر سے شہید کروایا اور عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو جو کہ اس کا قریبی مددگار اور دوست تھا، زہر دے کر مار دیا۔ امیر شام کا دوست دشمن کو زہر دینے کا یہ عمل بعد میں آنے والے خلفا کے لیے پیروی کا سبب بنا۔

نسلی امتیاز کو فروغ

امیر شام نے اپنے تشکیل کردہ معاشرے میں نسلی تفاخر اور امتیاز کو فروغ دیا۔ اس نے عرب کو عجم پر فضیلت کو رواج دیا اور قریش کو غیر قریش پر فوقیت دینے کو ترجیحی بنیاد قرار دیا۔ اس کا یہ عمل سراسر غیر اسلامی، قرآنی نص اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تھا۔ مزید برآں یہ کہ عوام میں واضح طور پر تفریق کی لکیر کھینچ دی گئی جس نے آگے چل کر امت کو تقسیم کر دیا۔

پیغمبر اسلام سے دشمنی

امیر شام اپنے بغض و کینہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر کے بیان کرتا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ لوگوں کی زبان پر یہ نام جاری ہونے سے روک دے۔ امیر شام کے اس عمل کی اصل خطا اس کا اصول اسلامی پر عدم اعتقاد تھا اس لیے وہ کتب نبوت ہی سے منحرف تھا۔ اسی وجہ سے مامون اور معتصم باللہ دونوں ہی نے اس عمل کی وجہ سے امیر شام پر لعنتیں بھیجی۔

امیر شام نے یہ قسم کھائی تھی کہ پیغمبر اسلام کے نام کو دفن کر کے دم لے گا۔ اسی لیے اس نے پیغمبر اکرم کی شخصیت کے بارے میں خود ساختہ روایات کو خلفائے ثلاثہ کے نام سے پھیلایا۔ یہ جعلی احادیث اس طرح کی ہیں (نعوذ باللہ) مثلاً " پیغمبر

اکرم ﷺ کو گانا سنتے تھے اور کنیزیں رقص پیش کرتی تھیں ① جبکہ ابوبکر اور عمر اس طرح کے کاموں کی مذمت کرتے تھے"۔ امیر شام اس قسم کی جعلی احادیث کا سہارا لے کر یزید جیسے مجرم کلاسیق و فجور و شراب خوری کرنے والے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لینے کی راہ ہموار کی۔

مقدس مذہبی و شرعی احکامات سے کھیلنا

ایک ایسی حرکت جسے امیر شام بخوبی انجام دیتا تھا وہ یہ تھی کہ اس نے مذہبی مقدس احکامات کو کھیل بنا دیا تھا کہ اسلام اور اس کی مقرر کردہ شرائط، اپنی حکومت اور اپنے برے مقاصد سے بہرہ مند ہونے کے لیے اپنے ہی مقرر کردہ مناسب اوقات میں بجالانے کا حکم دیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ نماز جمعہ کو اس نے منگل کے روز انجام دیا۔

کم عقلوں اور ناپاکوں سے خدمت لینا

امیر شام کو اپنی بدعمل حکومت پر قابو رکھنے اور عوام کی بڑی تعداد پر اپنا تسلط جمائے رکھنے اور مردان خدا کو لوگوں کے درمیان سے ہٹانے کے لیے ایسے اشخاص کی ضرورت پڑتی تھی کہ جن کے نجس ہاتھوں سے وہ اپنے پلید مقاصد کو پورا کر سکے۔ ان ناپاک افراد میں زیادہ تر جیسے خدمت گزار تھے جو کہ خاندان نبوت سے بہتر طور پر جنگ جاری رکھ سکے۔

علی علیہ السلام پر جنگ مسلط کرنا

امیر شام نے خلیفہ سوم کے قصاص کے نام پر جنگ صفین لڑی اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کو قتل کیا اور علانیہ طور پر امیر المومنینؑ سے جنگ کے لیے وارد ہوا۔

خلافت کو خاندان کی میراث بنانا

امیر شام نے اپنا آخری سرنامہ اس طرح تحریر کیا کہ اپنا جانشین یزید

---

① بخاری شریف۔

مسلمانانِ جہاں کی رہبری کے لیے جانشین مقرر کر دیا اور اس طرح اسلامی حکومت کو وراثت کے طور پر اپنے خاندان کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس کا یہ بدکردار بیٹا اس کے باقی ماندہ کاموں کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہو گیا۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳، ص ۲۸، ۲۹)

درحقیقت امیرِ شام کی جانب سے اپنے خاندان میں خلافت کو ورثہ بنانا ابوسفیان کی اسی سازش کا نتیجہ تھا جو اس نے طیفہ سوم کے گھر میں کی تھی:

یابنی اُمَیَّۃ! تَلَقَّفُوْھَا تَلَقُّفَ الْکُرَۃِ.... الخ

قارئین کے مطالعہ میں آسانی کے لیے امیرِ شام کے بقیہ جرائم اور خلاف ورزیوں کی فہرست کو یہاں درج کیا جاتا ہے جو الغدیر جلد ۱۰ میں موجود ہے۔

① شراب خوری (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۷۹)

② سود خوری (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۸۴)

③ حالت سفر میں پوری نماز ادا کرنا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۹۰)

④ عیدالفطر و عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے اذان شروع کروانا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۹۱)

⑤ دو بہنوں کو اکٹھا عقد میں رکھنے سے متعلق فتویٰ کا جواز پیدا کرنا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۹۹)

⑥ شریعت مقدس اسلام میں ثابت شدہ دیت میں تبدیلی (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۱۹۹)۔

⑦ نماز میں ترکِ تکبیر (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۰۱)

⑧ حج میں ترکِ تلبیہ (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۰۵)

⑨ عیدالفطر و قربان کے خطبوں کو مقدم کرنا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۱۱)

⑩ چور کی سزا کو ترک کرنا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۱۳)

⑪ ریشمی لباس پہننا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۱۵)

⑫ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا (الغدیر، جلد ۱۰، ص ۲۱۴)

۲

کیا یزید ایک مجرم تھا؟

یزید بنو امیہ کے گناہوں کے دراز سلسلے کی ایک ایسی کڑی تھا جس نے اپنے تین سالہ حکومت کے دوران ایسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا جن کو بھلانے کا خیال اسلامی مملکت کا کوئی شخص سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

حکومت اسلامی کی حکومت نسلی میں تبدیلی

یزید ایک عیاش نوجوان تھا جو کہ گناہوں سے آلودہ اور شراب کا دلدادہ تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا کہ جو نہ صرف اسلامی اصولوں سے منحرف تھا بلکہ ان احکامات اسلامیہ کو ختم کرنے کے درپے تھا اور ہمیشہ چاہتا تھا کہ حکومت اسلامی کو حکومت نسلی میں تبدیل کردے۔

اسلامی قوانین کی بے حرمتی

اس کے دور میں کھلم کھلا اسلامی قوانین کو دور جہالت کے چلن سے بتدریج تبدیل کیا جارہا تھا۔

جامعات میں کھلم کھلا حرام کاریوں کی ترویج

یزید ظاہری طور پر خود تو کھلم کھلا گناہوں اور فسق و فجور کو انجام دیتا ہی تھا، اس کے علاوہ اس نے ان برے کاموں کے اثرات مختلف طبقوں میں بھی چھوڑے ہوئے تھے اور

وہ مقدس ترین اسلامی شہروں اور مراکز میں کھلم کھلا فحاشی و موسیقی اور شراب خوری انجام دیتے تھے۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت

یزید کی حکومت کے پہلے ہی سال جو سب سے بڑا سانحہ پیش آیا وہ امام حسینؑ کی کربلا میں شہادت تھی۔ ان کے اصحاب با صفا اور خاندان وحی رسالت کے افراد بھوکے پیاسے صحرا میں تہ تیغ کر دیے گئے اور مخدرات کو برہنہ سر، پابند سلاسل کر کے عراق و شام میں لے جایا گیا۔

مدینہ میں دخل اندازی اور غارت گری

ابھی کربلا کے خونی و جان سوز واقعہ سے امت جاں برنہ ہوئی تھی کہ یزید نے ایک اور ننگ و عار حرکت کو انجام دیا اور انسانیت کے دامن کو داغ دار کر ڈالا۔ یزید نے اپنی حکومت کے آخری دو سالوں میں مدینہ میں دخل اندازی کی اور قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر کے اپنی ناپاکی اور شقاوت کو کمال تک پہنچایا۔ یہ قابل شرم واقعہ تاریخ میں "واقعہ حرہ" کے نام سے محفوظ ہے۔

خانہ خدا پر آگ برسانا

یزید کا ایک اور بڑا جرم بیت اللہ پر آگ برسانا اور اسے ویران کرنا ہے۔ یزید نے عبداللہ ابن زبیر کے قتل کر دینے کے واسطے بارہ ہزار افراد کا لشکر مکہ کی جانب بھیجا اور اس لشکر کی قیادت حصین بن نمیر کو سونپی۔ اس لشکر نے مکہ کی قریبی پہاڑیوں سے منجنیقیں استعمال کیں اور خانہ خدا پر پتھر اور آگ کی بارش کر دی تا کہ عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا جا سکے۔

□□□

۴

امیرِ شام اور یزید کی حکومتی پالیسی میں کیا فرق تھا؟

یزید اگرچہ فرزندِ امیرِ شام تھا مگر اس کی حکومتی پالیسیوں میں اپنے باپ کی نسبت چند لحاظ سے فرق موجود تھا۔ ذیل میں وہ فرق درج کیے جاتے ہیں:

① امیرِ شام نے مکر و حیلہ کاری اور ظاہری اُمور کی انجام دہی کے ذریعے سے نظامِ حکومت سنبھال رکھی تھی اور جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا اسے مختلف مراکز میں مخفیہ طریقے سے انجام دیتا تھا۔ اس طرح سے اس نے شام کی عوام کو اپنی جانب مائل کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے جمعہ کی نماز کو منگل کے دن پڑھا دیا تو کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے اٹھ کر اعتراض کیا ہو۔ جبکہ یزید اس قسم کی دو روئی اور دکھلاوے کی حیلہ و فریب کاری سے حکومت کے بجائے کھلم کھلا قبیح افعال انجام دیتا تھا۔

② اگرچہ امیرِ شام نے حضرت علیؑ پر سب و شتم کا طلم روا رکھا اور اسے مملکت بھر میں رواج دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بھی من گھڑت اور جھوٹی احادیث منسوب کر کے خلاف شرع کاموں کا ارتکاب کیا مگر وہ ایک خاص قسم کے فریب آلود پردہ میں رہ کر اپنی سیاست کو انجام دیتا رہا جبکہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرتا تھا۔ یزید نے جب کرسیِ اقتدار کو سنبھالا تو اس نے کھلم کھلا فسق و فجور اور شراب خوری کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اس کی ان حرکتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حرمت پامال ہوئی۔

③ امیرِ شام کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنی تمام حرکات و بدکردیوں و مذہبی رنگ

دیتا رہے تاکہ ظاہراً اس کے اعمال بد اس کے لیے سازگار حالات بنا کر رکھ سکیں اور وہ ان سے زیادہ سے زیادہ سیاسی فائدہ اٹھاتا رہے۔ مگر یزید جو کہ حکومت سنبھالنے سے پہلے ہی سے ایک لاابالی اور خواہشات نفسانی کی تابعداری کرنے والا شخص تھا، حکومت سنبھالنے کے بعد اپنا دکھاوے کا تقویٰ اور پرہیزگاری بھی نہ دکھا سکا اور خود کو ظاہری طور پر بھی دین دار اور باایمان مشہور نہ کر پایا۔

◈ یزید نے اپنے اس اخلاق اور عادات کے باعث اسلام کی اساس کو خطرے سے دوچار کر دیا تھا لہٰذا اس وقت جب یزید نے خلافت سنبھالی تو امام حسینؑ نے فرمایا: "اس زمانے میں کہ یزید حاکم ہو اسلام کی فاتحہ پڑھ لینا چاہیے"۔

یہ حقیقت ہے کہ امام حسینؑ نے دور امیرِ شام میں قتل و غارت، بدعات کے طومار اور حق سے دشمنی کے باوجود اسلام کو اس قدر زیادہ خطرے میں محسوس نہ کیا تھا۔ ماحصل یہ ہے کہ امیر شام ایسے منافقانہ کردار اور عیاری و سیاست کا مالک تھا کہ اس نے اقتدار کے بلند ترین منصب پر موجود رہ کر کم از کم اپنے ظاہر کی حفاظت کی لیکن یزید تو ظاہراً ہی فسق و فجور اور رذالت و عیاشی کو انجام دیتا رہا اور اسے مکر کے پردے میں چھپا کر رکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

□□□

۵

کوفی امام حسینؑ کو جنگ میں کیوں چھوڑ گئے؟

جب اہل کوفہ کو امام حسینؑ کی یزید کی بیعت کی مخالفت اور مکہ سے روانگی کی اطلاع ملی تو انھوں نے انفرادی طور پر لکھے ہوئے خطوط تھیلوں کی شکل میں امام حسینؑ کو بھیجے کہ جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ کوفیوں کے آخری خط کے بعد ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے توسط سے تحریر کیا گیا تھا۔ امام حسینؑ نے ان خطوط کے جواب میں اس طرح سے لکھا:

> "میرے بھائی اور چچا زاد (مسلم بن عقیلؑ) کو جو میرے خاندان میں میرے لیے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں انھیں میں تمھاری جانب بھیج رہا ہوں"۔

مگر پھر ایسا کیا ہوا کہ کوفیوں نے عین موقع پر امامؑ کو جنگ میں اکیلا چھوڑ دیا۔ فرزند رسولؐ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور آپؑ کا خاندان اسیر ہو گیا؟ اس کی متعدد ذیل وجوہات ہیں:

① ڈر، خوف

امامؑ کو تن تنہا چھوڑ جانے کی ایک وجہ ڈر اور خوف تھا۔ زیاد اور امیر شام کے زمانے سے حکومت کی سخت گیری اور قتل و غارت نے ان کے اندر خوف کو بسا دیا تھا۔ عبیداللہ ابن زیاد کے حکم سے میثم تمارؓ، رشید ہجریؓ، مسلمؑ اور ہانیؓ کے بے دردانہ قتل نے

اس خوف کو مزید اُجاگر کر دیا اور یوں فرزندِ رسولؐ کوفیوں کی بزدلی کی وجہ سے اکیلے رہ گئے۔

④ مال دنیا کی خواہش اور لالچ

امام کو چھوڑ جانے کی ایک اور وجہ مال دنیا، مرتبہ و مقام کی حرص و طمع تھی کہ جیسا کہ عمر ابن سعد نے کہا تھا "قسم خدا کی! میں نہیں جانتا کہ میں سرگرداں ہوں اور اپنے کاموں پر سوچتا ہوں" عمر ابن سعد کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عذاب روحانی میں گرفتار تھا کہ آیا دنیا کو لے لے اور آخرت کو چھوڑ دے اور یا یہ کہ آخرت کے لیے دنیا سے ہاتھ اٹھا لے۔ آخر کار اس دنیاوی حرص اور طمع نے اسے دھوکا دیا اور وہ امام حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کرنے میں شریک ہو گیا اور حکومت رے کو امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے پر ترجیح دی۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳، ص ۵۹)

⑤ سیاسی مقاصد کا حصول

شام خاص طور پر بنو اُمیہ کا طرفدار تھا جبکہ مکہ اور مدینہ والوں نے قیام امام حسینؑ کی نسبت خود سے کوئی قابل توجہ ردعمل ظاہر نہ کیا۔ محض ایک عراق تھا اور اس میں بھی صرف کوفہ امام کی نصرت کے لیے بظاہر کوشاں نظر آ رہا تھا۔ وہ سب لوگ کہ جنہوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھے، دعوت دی اور مدد کرنے کا عہد کیا، ان سب کو بھی دین کا درد نہ تھا بلکہ ان تمام دعوتوں کے پیچھے سیاسی مقاصد پوشیدہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ شام کی حکومت نے ابن زیاد کو عراق اور کوفہ پر گورنر مقرر کر دیا ہے تو اپنے مقصد کو تبدیل کر کے انھوں نے فرزند رسولؐ کی اطاعت پر یزید کی اطاعت کو مقدم کر دیا۔

⑥ دور رسالت سے ناواقف نسل نو

اس وقت موجود مسلمانوں کی کثیر نسل خلیفہ دوم کے عہد میں پیدا ہوئی اور خلیفہ

۶۰ھ کے عہد میں پروان چڑھی اور امیر شام کے دور میں ایک جماعت کی شکل اختیار کرگئی۔ اسے اولین دور اسلام سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ پچاس سالوں میں پروان چڑھی اس جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا تھا پھر اس گروہ کے کچھ افراد ساٹھ کی دہائی کے بوڑھے تھے جو عملی اعتبار سے کم فعال تھے اور آخرت کے سفر کی تیاری اور موت کو گلے لگانے کے انتظار میں تھے۔ جوانوں اور نوجوانوں کی اکثریت ان افراد پر مشتمل تھی جو ابتدائی فعالیت میں پیش پیش تھے اور جو اسلامی نظام ان کے سامنے تھا وہ اسی کو اصل اسلام جان کر اس میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس وقت جن افراد کے پاس حکومتی عہدے تھے ان میں مغیرہ بن شعبہ، سعید بن عاص، ولید، عمر بن سعد وغیرہ قریش کے اشراف زادے تھے جو بدمستی سے قوم پرست، فاسق، فاجر، ظالم، ذخیرہ اندوز اور جابر تھے۔ اس نسل کا ولید نسلی تعصب اور مخالف کا بے رحمی سے قتل یا پھر سپرد زندان کرنا تھا۔ اسی عمل کو بنیاد بناتے ہوئے ابن زیاد نے امامؑ کے سفیر اور فرستادے کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کو بھی دھمکی دی اور اس طرح سے امام عالی مقام کے سفیر کو تنہا کر دیا۔ (قیام امام حسینؑ، سید جعفر شہیدی ص ۱۱۰، ۱۱۱)

□□□

۶

قیامِ امام حسینؑ کا فلسفہ کیا تھا؟

نجاتِ اسلام

حضرت امام حسین علیہ السلام نے قیام کیوں کیا اور ان کے قیام کا فلسفہ اور مقاصد کیا تھے؟ ان سوالات کے بہترین جوابات وہ ہیں جیسا کہ ہم سوال کریں کہ ہم پوچھیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں قیام کے دوران قریش کے خلاف سازشیں کیوں نہ کیں؟ کیوں جناب علیؑ بدر و حنین، اُحد و احزاب اور شبِ ہجرت رسولؐ کی حمایت کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں؟ کیوں حضرت ابراہیم مشکل تن تنہا نمرود کی عظیم طاقت و اقتدار کے سامنے قیام کرتے ہیں؟ اور کیوں موسیٰؑ کہ جو ماسوائے اپنے بھائی ہارونؑ کے کسی بھی حامی کے بغیر فرعون کے دربار میں جانے کی جرأت کرتے ہیں؟

یہ ہی کہنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف اسلام کی نجات، انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے حصول، توحید اور حکومت الٰہیہ کے وجود کے قیام، عدل و آزادی اور ظلم و استبداد کے خاتمے کی خاطر انجام دیا گیا نہ کہ دنیاوی جاہ و مقام اور دولت و ثروت کے حصول کے لیے کیا گیا۔ پس امام حسینؑ نے بھی وہی راہ اختیار کی جس پر انبیاءؑ چلتے رہے۔ یہ اعتراض کہ امام حسینؑ نے کیوں قربانی دی اور اپنی جان کی حفاظت کیوں نہ کی۔ یہ اعتراض ان تمام انبیاؑ اور اولیاؑ پر لاگو ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ امامؑ کے قیام کا فلسفہ اسلام کی نجات تھا اور جیسا کہ انھوں نے خود فرمایا:

عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ

"اگر میں قیام نہ کرتا تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے"۔

(حماسہ حسینؑ جلد سوم ص ۳۰)

یزیدی حکومت کا قیام غلط ثابت کرنا

یزید کی حکومت اس کے باپ امیر شام کی حکومت کی طرح سے ثابت اور مستحکم تھی۔ اس وقت کے اکثر افراد یزید کی حکومت کے خلاف تھے اور خود کو یزید سے برتر اور بہتر سمجھتے تھے۔ اس حکومت کے خلاف قیام اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے تھا۔

علیؑ پر سب و لعن کا خاتمہ کرنا

یزید نے شروع ہی سے اپنی حکومت کو لعن و سب علیؑ پر کھڑا کیا۔ امام حسینؑ کا قیام ہی وہ واحد راستہ تھا جو اس قبیح عمل اور ظلم کو ختم کر سکے۔ اگر امام یزید کی بیعت کر لیتے تو وہ مجبور ہوتے کہ حکومت کی وفاداری کرتے اور اس بری روایت کا اگلا آنکھ آنے والی نسلوں کے لیے حالات کو من و عن قبول کر لینے کا سبب بنتا۔ امامؑ کا قیام امیر المومنینؑ کی حمایت میں ایک توانا آواز بن کر ابھرا جس نے حق اور باطل کا فرق واضح کر دیا۔

عادل حکومت کا نفاذ

قیام امامؑ کا بنیادی فلسفہ ظلم و استبداد، مکر و فریب کی حکومت کا خاتمہ اور عادل حکومت کا قیام تھا۔ امامؑ نے قیام کیا تا کہ امت کو اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم، بے انصافی، گناہ سے بچایا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسینؑ کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدَى وَسَفِينَةُ النَّجَاةِ

"بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں"۔

اپنے قتل کا علم

امام حسینؑ جانتے تھے کہ یزید بیعت کے بعد بھی ان کو قتل کردے گا۔ کیونکہ ان کے بھائی امام حسنؑ نے بھی امیر شام سے صلح کی مگر اس نے زہر دے کر امام کو شہید کردیا۔ یزید بھی امیر شام جیسے مجرم کا ناپاک خون تھا، لہذا اس نے بھی وہی کچھ کرنا تھا جس کی روایت اس کے باپ نے ڈالی تھی۔ اسی تعین کے سبب امامؑ نے اپنے پاک خون کو لافانی و جاویداں سیادت و قیادت کے لیے استعمال کیا اور دنیا کو بتادیا کہ کسی بھی صورت اپنے آپ کو ذلت و خواری کے سپرد نہ کرو اور کسی بھی ستم گر کی حکومت قبول نہ کرو۔ لہذا انھوں نے قیام کیا اور شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوئے۔

خاندان اُمویہ کی موروثی حکومت کا خاتمہ

امامؑ کے قیام کا ایک مقصد خاندان اُمویہ میں موروثی خلافت کا خاتمہ بھی تھا۔ انھوں نے یزیدی حکومت کے قیام کو بنی اُمیہ کی موروثی حکومت کے طور پر پہچان لیا۔ یہ امکان پیدا ہوگیا تھا کہ اگر اس کے خلاف قیام نہ کیا جاتا تو یہ ایک سنت کی شکل اختیار کرلیتا۔ بعد کے واقعات نے اس امر کو درست ثابت کردیا۔

□□□

۷

کیا پیغمبر اکرمؐ نے شہادت امام حسینؑ کی خبر دی تھی؟

روایات میں وارد ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کو جبرئیلؑ نے متعدد مرتبہ ان کے فرزند حسینؑ کی شہادت کی اطلاع دی تھی۔ ان میں سے چند روایات پیش ہیں:

① حضرت عائشہ سے روایت ہے: ایک دن رسول خدا ﷺ نے امام حسینؑ کو اپنے زانوؤں پر بٹھایا اور ان کو چومتے رہے کہ اتنے میں جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: آپؐ اس فرزند کو بہت عزیز رکھتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

جبرئیلؑ نے عرض کیا: تو آپؐ جان لیجیے کہ آپؐ کی اُمت ہی ان کو قتل کرے گی۔

ایک اور روایت میں اس مطلب سے زیادہ بیان ہوا ہے کہ جبرئیلؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے عرض کیا: آپؐ چاہتے ہیں کہ میں آپؐ کو وہ سرزمین دکھاؤں جہاں آپ کے فرزند حسینؑ کو قتل کیا جائے گا؟ پھر جبرئیل امینؑ نے سرزمین "طف" عراق کی جانب اشارہ کیا اور ایک بہشتی خاک جس کا رنگ سرخ تھا وہاں سے اٹھائی اور نبی کریم ﷺ کو دکھا کر کہا:

هٰذه من تربة مصرعه

"یہ ہے اس (حسینؑ) کے قتل گاہ کی تھوڑی سی مٹی"۔

اسی مضمون پر زیادہ تر روایات نقل ہوئی ہیں:

① ابن عباس سے روایت نقل ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ السلام رحلت سے چند روز پہلے ایک سفر سے واپس آئے تو آپ علیہ السلام کا چہرہ متغیر اور پریشان معلوم ہوتا تھا۔ آپ جب بات چیت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي

"اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جنہیں تم مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت"۔

پھر مزید فرمایا:

إِلَّا وَإِنَّ جِبْرَئِيلَ قَدْ أَخْبَرَنِي بِأَنَّ أُمَّتِي تَقْتُلُ وَلَدِي الْحُسَيْنَ بِأَرْضٍ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ إِلَّا فَلَعَنَتُهُ اللّٰهِ عَلَى قَاتِلِهِ وَخَاذِلِهِ إِلَى آخِرِ الدَّهْرِ

"ہاں جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت میرے فرزند حسینؑ کو سرزمین کربلا میں قتل کرے گی (تو) خداوند کریم ہر اس شخص پر قیامت تک لعنت کرے جو (میرے) حسینؑ کے قتل میں شریک ہو"۔

انس بن حارث کی روایت

فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا ﴿الحسين﴾ يُقْتَلُ بِأَرْضٍ مِنَ الْعِرَاقِ فَمَنْ أَدْرَكَهُ فَلْيَنْصُرْهُ

"میرا فرزند حسینؑ سرزمین عراق پر قتل کیا جائے گا (پس) جو کوئی اس زمانے میں موجود ہو اور بچ سکتا ہو تو واجب ہے کہ (میرے حسینؑ) کی نصرت کرے"۔ (مقتل خوارزمی۔ جلد اول ص ۱۴۳)

□□□

۸

کیا امیر المومنینؑ کو شہادت حسینؑ کی خبر دی گئی تھی؟

روایات کی کتب میں درج ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسینؑ کی شہادت سے متعلق پیشین گوئیاں فرمائیں۔ بعض روایات میں تو انھوں نے سرزمین کربلا کو مخصص فرمایا۔

① جس وقت کہ جناب علیؑ کوفہ سے صفین کے لیے روانہ ہوئے تو جب کربلا میں وارد ہوئے تو وہاں توقف فرمایا اور حضرت امام حسین علیہ السلام جو اس وقت تینتیس برس کے تھے، کے سامنے آنسوؤں اور گریہ فرمایا اور مخاطب ہوئے

هٰهُنَا مُنَاخُ رِكَابِهِمْ وَ مَوْضِعُ رِحَالِهِمْ وَهٰهُنَا مُهْرَاقُ دِمَائِهِمْ فِتْيَةٌ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ يُقْتَلُوْنَ بِهٰذِهِ الْعَرْصَةِ، تَبْكِي عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ

"یہ سرزمین (کربلا) پیادہ کرنے اور (حسینؑ اور ان کے انصار) پر بوجھ ڈالنے کا مقام ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ان کا پاک خون بہایا جائے گا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی جماعت قتل کی جائے گی اور (یہی ہیں) جن پر آسمان و زمین گریہ کناں ہوتے ہیں"۔ (ارشاد مفید، ص ۱۵۶)

تقریباً چوبیس سال بعد امیر المومنینؑ کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

شیبان بن مخرم کی روایت

میں سفر میں امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے ہمراہ تھا۔ جب وہ کربلا پر پہنچے تو فرمایا:

يُقْتَلُ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ شُهَدَاءُ لَيْسَ بِمِثْلِهِمْ شُهَدَاءُ إِلَّا شُهَدَاءُ بَدْرٍ

"اس سرزمین پر ایسے شہداء قتل ہوں گے کہ جن کی مانند شہداء سوائے بدر کے شہیدوں کے کوئی اور نہیں"۔ (صفات اخلاق الحق جلد ۱۱، ص ۳۷۶)

براء بن عازب کی روایت

امیر المومنین علیہ السلام نے براء بن عازب سے فرمایا:

يَا بَرَاءُ يُقْتَلُ ابْنِي الْحُسَيْنُ وَأَنْتَ حَيٌّ لَا تَنْصُرُهُ

"اے براء جب میرا فرزند حسینؑ قتل کیا جائے گا تو اس وقت زندہ ہوگا مگر تو ان کی نصرت نہ کرے گا"۔

جب حسینؑ قتل ہو گئے تو براء بن عازب کہا کرتا تھا: "قسم خدا کی! علیؑ ابن ابی طالب نے درست فرمایا تھا، حسینؑ قتل ہو گئے اور میں نے ان کی نصرت نہ کی"۔ (زندگانی امام حسینؑ، رسولی محلاتی، ص ۲۰۲)

ہرثمہ بن سلیم سے روایت

ہم علیؑ کے ہمراہ جنگ صفین کے لیے جا رہے تھے جب وہ کربلا پہنچے تو اس زمین پر نماز ادا کی، اسکے بعد وہاں سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی، سونگھی اور فرمایا:

وَاهًا لَكَ يَا تُرْبَةُ لَيُحْشَرَنَّ مِنْكِ قَوْمٌ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

بِغَيْرِ حِسَابٍ

"واہ تیرے لیے اے خاک! کیا ہے کہ تجھ پر ایسے افراد محشور کیے جائیں گے جو بغیر حساب داخلِ جنت ہوں گے"۔

ہرثمہ کہتا ہے یہ باتیں گزر گیا اور وہ وقت آ گیا جب عبیداللہ ابن زیاد نے حسینؑ پر جنگ کے واسطے لشکر بھیجا، میں اس لشکر میں شامل تھا اور جب میں حسینؑ اور ان کے انصار کے قریب پہنچا تو اچانک مجھے علیؑ کا یہاں نماز ادا کرنا اور پھر وہ گفتگو فرمانا یاد آ گیا۔ میں جنگ کے ارادے سے باز آ گیا اور گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے حسینؑ کے قریب پہنچا۔ انھیں سلام کیا اور وہ بات جو میں نے ان کے والد گرامی سے سنی تھی، انھیں بتادی۔

امام حسینؑ نے پوچھا: أَمَعَنَا أَمْ عَلَيْنَا

"کیا تو ہماری مدد کے لیے آیا ہے یا جنگ کے لیے؟"

میں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! نہ تو میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں اور نہ آپ سے جنگ کرنے آیا ہوں، میں نے اپنے بیوی بچوں کو کوفہ میں چھوڑا ہے اور میں ابن زیاد کی وجہ سے ان کے لیے خوف زدہ ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ایسی بات ہے تو اس سرزمین سے دور چلا جا تاکہ تو ہمیں قتل ہوتا نہ دیکھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حسینؑ کی جان ہے، اس روز جو کوئی ہمیں قتل ہوتا دیکھے گا اور ہماری نصرت نہ کرے گا وہ داخلِ جہنم ہوگا۔

(زندگانی امام حسینؑ، ہاشم رسول محلاتی سے روایت، ص ۳۰۰)

□□□

۹

ائمہ کرامؑ نے واقعۂ کربلا کو زندہ رکھنے کا طریقہ کیوں قائم کیا؟

روایات سے ثابت ہے کہ آئمہ اطہار علیہم السلام زیارت عاشور کو امر حیات سمجھتے تھے۔ وہ جان کو درپیش خطرہ نہ ہونا، حج کے سفر کی شرط گردانتے تھے۔ مگر زیارت امام حسینؑ کے ضمن میں جس قدر یہ خوف اور ڈر زیادہ تر ہو اور دشمن کی طرف سے درپیش خطرات زیادہ ہوں تو آئمہ اطہار اسے خداوند کریم کے نزدیک حج بتلاتے ہیں اور لوگوں میں زیادہ سے زیادہ زیارت کا شوق پیدا کرتے ہیں۔ (بڑی تاریخ عاشورہ، ص ۴۱)

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کی تحریک کے اہم ترین آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود لوگ امام حسینؑ کو مجالس اور عزاداری کے ذریعے یاد کرتے ہیں اور اپنا وقت، پیسہ، طاقت و ہمت صرف کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان محرکات کو تلاش کیا جائے کہ جن کی بنا پر آئمہ علیہم السلام نے عاشورہ کو زندہ رکھنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے۔

◈ داستان کربلا ہمیشہ کے لیے ایک تعلیمی و تربیتی درسگاہ کی صورت میں زندہ رہے۔

سانحہ کربلا اپنی ذاتی حیثیت میں بہت بڑا واقعہ ہے۔ تاریخی، دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے لیے اس درس گاہ کا ہر کردار ہمت و جرأت کا پیمانہ اور ہے، اس۔

واقعے میں ظالم کے ظلم کے سامنے ڈٹ جانے کا ہر لمحہ قابلِ تقلید ہے۔ اس کے مظلوم کردار، مادی طور پر بظاہر جنگ ہار رہے ہیں مگر اخلاقی میدان میں ناقابلِ تسخیر ہو چکے ہیں اور اس کے ظالم کردار اپنی تمام تر محاسنوں کے ساتھ یوم آخرت تک کے لیے عریاں ہو چکے ہیں۔ ایسی محیر العقول سچی داستان کو سننے کے لیے لاکھوں افراد روز و شب صرف کرتے ہیں اور ان واقعات اور حقائق کی سماعت اور جان کو ہر شے پر ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴)

"تاکہ لوگوں پر اس (اللہ) کی آیات کی تلاوت کرے اور ان کو پاک کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے"۔

① امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار کو زبردست خراج تحسین پیش کرنے کی خاطر جنھوں نے شجر اسلام کی زندگی اور حفاظت کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ معصومینؑ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کو جو اصحاب میسر آئے وہ دوسرے معصومینؑ کے اصحاب سے بہتر تھے۔ جو قلیل زاد راہ کے ساتھ بے سروسامانی میں، دشمن کی کثیر تعداد سے خوف زدہ ہوئے بغیر لق و دق صحرا میں تین دن تک بھوکے پیاسے رہ کر بھی ڈٹ گئے۔ اپنی جان، مال کو امامؑ پر قربان کرنے سے ذرہ بھر نہ ہچکچائے اور جان نثارانہ طور پر امامؑ کی نصرت کرتے ہوئے دشمن پر جا پڑے۔

② شہادت اور شہدا کے ان مراتب اور درجات کا تذکرہ کرنا جو کہ اسلام کی نظر میں بلند حیثیت رکھتے ہیں۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳، ص ۹۰)

□□□

۱۰

امام حسینؑ نے امام حسنؑ کی طرح صلح کیوں نہ کی؟

قیام امام حسینؑ کے خلاف ایک شبہہ یہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی کی روش پر چلتے ہوئے یزید سے مصالحت کیوں نہ کر لی؟

① اس سلسلے میں یہ یاد رکھا جانا چاہیے کہ امام حسن مجتبیٰؑ نے امیر شام کے ساتھ معاہدہ کیا تو چونکہ امیر شام ایسی عقل اور کردار کا مالک تھا کہ جس نے ظاہری طور پر معاشرتی حدود و قیود کو برقرار رکھا ہوا تھا اور وہ صرف سیاسی طور پر خطرہ بنا ہوا تھا جبکہ یزید کی وضع قطع ظاہری طور پر بھی رذالت و پستی و عیاشی کا شکار تھی۔ اگر امام حسینؑ اس کے سامنے قیام نہ فرماتے تو بنی امیہ اسلام کی کلی اساس کو ملیامیٹ کرتے ہوئے خلافت اسلامی کو سلطنت جابرانہ کے طور پر دنیا میں رقم کر جاتے جہاں دین کی اخلاقی حدود مکمل طور پر پامال ہو چکی ہوتیں۔

② اگر امام حسینؑ کی طرف سے اسلام اور قرآن کے نام پر قیام نہ کیا جاتا اور یزید کی حکومت کا بھانڈہ تین سال کے اندر نہ پھوٹتا اور یہ حکومت چند سال مزید طویل ہو جاتی تو ممکن تھا کہ کوئی اور یزید پر قیام کرتا کہ جس کا مقصد اسلامی نہ ہوتا۔ یہ عمل اسلام کے لیے شدید خطرناک ثابت ہوتا۔

③ امام حسنؑ کی صلح کی شرائط کچھ اس طرح کی تھیں کہ ان سے اسلام اور مسلمین کو اجتماعی طور پر فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ امامؑ نے امیر شام کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ:

"وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرے گا۔
اپنے لیے جانشین کا تعین نہ کرے گا۔
شیعان و اصحاب امیر المومنینؑ جو کہ شام، عراق، حجاز و یمن میں مقیم تھے، کے جان و مال، کاروبار، بیوی بچوں کو امان دی جائے گی۔
امام حسنؑ و حسینؑ کی اہل بیتؑ سے کوئی ظاہری و خفی مکر و فریب نہ کرے گا۔
امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب پر کسی بھی طرح کی شرط کے بغیر لعن و سب روا نہ رکھے گا"۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ امیر شام نے ان شرائط کا بالکل بھی پاس نہ کیا۔ مجموعی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ درحقیقت امام حسنؑ کا زمانہ، قیام کا متقاضی نہ تھا لیکن امام حسینؑ کا زمانہ اس کا متقاضی تھا۔

◈ امام حسنؑ نے اپنی صلح کے ذریعے آل ابو سفیان کے اخلاقی رذائل اور بدفعالیوں کو عیاں کیا اور امام حسینؑ نے اپنے قیام اور شہادت سے خاندان بنو امیہ کو ذلیل و رسوا کرڈالا۔ امام حسینؑ اپنے قیام کے ذریعے بنو امیہ کی سیاست، مکر و فریب، ظلم و استبداد کو اہل عالم بالخصوص اہل شام پر واضح کرنا چاہتے تھے۔ آپ اپنے اس عمل سے اپنے والد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب، بھائی امام حسنؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی مظلومیت کو آشکار کرنا چاہتے تھے، اسی لیے انھوں نے اپنے فرزندان و احباب و اصحاب کو شہادت کے لیے اور خود بات کو اسیری کے لیے پیش کردیا۔

◈ شہادت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے بعد امام حسنؑ نے امیر شام سے جنگ کے لیے بیس ہزار کا لشکر تیار کیا جبکہ امیر شام نے لشکر کے سرداروں کو حکومت

اور مال و دولت کا لالچ دے کر فریب دیا اور اپنے ساتھ ملایا۔ امام کا رد امام حسن کا لشکر منتشر ہو گیا اور ان کے پاس بجز چند اقارب اور قریبی دوستوں کے کوئی مددگار نہ رہا اور نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ تھا جس کے ذریعے وہ امیر شام پر قابو پا سکتے۔

□□□

۱۱

امام حسینؑ نے اپنے والد کی طرح سکوت کیوں نہ اختیار کیا؟

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے تین خلفا کے زمانے اور یزید کے زمانے میں بہت فرق ہے۔ یزید ایک جواری، شرابی، زانی، لہو ولعب کا خوگر، دین اسلام سے عاری حکمران تھا۔ اس کے سامنے سکوت کرنے کا مطلب اس جیسے کی حکومت کو حکومت اسلامی کے طور پر جائز تصور کیے جانے کا جواز مہیا کرنا جو کہ عدالت، حقانیت، انسانیت، پارسائی اور دیگر اسلامی اصولوں کے خلاف ہوتا۔

② دور امام علیؑ اور دور امام حسینؑ میں کافی فاصلہ ہے۔ اگر امام علیؑ خلفائے ثلاثہ کے دور میں تلوار اٹھاتے تو وہ مسلمان جو تازہ تازہ اسلام لائے تھے شکوک و شبہات کا شکار ہو کر اپنے عقائد پر لوٹ جاتے۔ اس کشمکش کے دور میں یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار موقع پا کر اسلامی بنیادوں کو برباد کر دیتے۔

امیر المومنینؑ نے دین اور امت مسلمہ کی حفاظت کے لیے ظاہری خلافت سے صرف نظر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام علیؑ کا سکوت، امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کا قیام ایک دوسرے کا تسلسل ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

□□□

۱۲

اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا نہ کرتا تو وہ پھر بھی قیام کرتے؟

بعض افراد اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا نہ کرتا تو حضرت بالکل قیام نہ کرتے بالکل اسی طرح جیسے دور امیر شام میں قیام نہ کیا گیا جب امیر شام نے امام حسینؑ سے بیعت طلب نہ کی تھی۔ اس امر پر یقین رکھنے والوں نے امام حسینؑ کے ایک خط کے بیان سے تمسک کر رکھا ہے جو انھوں نے معاویہ کو جواباً تحریر فرمایا تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ: وَمَا أُرِيدُ ذٰلِكَ حَرْبًا وَلَا عَلَيْكَ خِلَافًا "میں تم سے جنگ اور مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا ہوں"۔

ویسے بھی امیر شام اور یزید کی حکومت میں زیادہ فرق نہ تھا۔ لہٰذا اگر یزید امام حسینؑ سے بیعت طلب نہ کرتا تو امام قیام نہ فرماتے۔ (سعید جاوید، ص ۱۲۲)

اس شبہ کے جواب میں ضرورت اس بات کی ہے کہ بنیادی بات بیان کر دی جائے۔ ان دونوں حکومتوں میں قیام کرنے کی شرائط میں فرق ہے۔ مثلاً

① یزید کی حکومت ایسی تو بنیاد حکومت تھی کہ جس کے مقابل خاموشی اختیار کرنا جائز نہ تھا اور یہ صورت حال امیر شام کی حکومت کے برخلاف تھی۔

② امیر شام کی حکومت اگرچہ بے دین حکومت ہی تھی مگر اس کا سربراہ بظاہر

اپنی زیرکی اور مخصوص انداز سیاست سے حکومت چلا رہا تھا اور دینی اعتبار سے ظاہراً کوئی خرابی آشکار نہ تھی۔ جبکہ یزید کھلم کھلا فسق و فجور اور شراب خوری کرتا اور مست میں غرق رہتا۔

② امام حسینؑ بذات خود امیر شام اور یزید کی حکومت کے مابین فرق کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں ان کے بیانات تاریخ کا حصہ ہیں۔ مثلاً جب یزید کو حکومت ملی تو امامؑ نے یزید کے طرف سے بیعت کے سوال پر مروان بن حکم کے سامنے جواب فرمایا تھا:

عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا بُلِيَتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيدَ

"اس حالت میں کہ مسلمان یزید کی فرمانروائی میں گرفتار ہو چکے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اسلام کی فاتحہ پڑھ لی جائے"۔

والی مدینہ سے اسی طرح کے ایک اور خطاب میں فرماتے ہیں:

يَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمْرِ وَقَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ وَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ

"یزید ایک ایسا انسان ہے جو کہ شراب خور ہے اور جس کے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگین ہیں۔ وہ ایسا شخص ہے جس نے قوانین الٰہی کی حرمت کو پامال کیا ہے اور اعلانیہ طور پر وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے"۔

③ جس وقت امام حسینؑ مدینہ سے مکہ کی جانب پیش قدمی فرماتے ہیں تو اپنی معروف وصیت فرماتے ہیں جس میں قیام کے اسباب اور یزید بن امیر شام سے اپنی مخالفت کی ضرورت اور وجوہات کا ذکر فرماتے ہیں۔ وہ بعد از شہادتین توحید، نبوت و قیامت فرماتے ہیں:

إِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِمًا وَإِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةِ جَدِّي أُرِيدُ أَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرَ بِسِيرَةِ جَدِّي وَأَبِي عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ

"میں کسی تکبر، شغل، فسق یا فجور کی خاطر مدینہ سے نہیں نکل رہا بلکہ میرا ہدف اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کی امت میں داخل ہونے والے مفاسد کی اصلاح، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا ہے اور اپنے والد (علی ابن ابی طالب) کی سیرت و سنت کو زندہ کرنا ہے"۔

ان خصوصیات کے ساتھ، پھر اگرچہ یزید بیعت کا تقاضا متدین بھی ہوتا تو بھی امام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر قیام فرماتے، جیسا کہ ان کے فرمودات سے واضح نظر آتا ہے۔ اگر امامؑ نے امیرِ شام کے دورِ حکومت میں قیام نہ فرمایا تو اس وجہ سے کہ وہ مناسب وقت کے منتظر تھے، جب امیرِ شام گزر جائے اور یزید برسرِ اقتدار آئے تو بھی (کہ خلافت موروثی بنے اور یزید کا کافری فسق و فجور اور گناہوں کا ارتکاب) قیام کا بنیادی جواز فراہم کردے۔ اسی لیے امامؑ نے اپنے اختلاف کو صرف یزید کی بیعت پر ہی منحصر نہیں فرمایا۔

□□□

۱۳

کیا امامؑ کا قیام محض اہلِ کوفہ کی دعوت پر مبنی تھا؟

امام حسینؑ کے قیام کی ایک بنیادی بات امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ یہ عمل ضرور برپا ہوتا، چاہے اہلِ کوفہ امامؑ کو دعوت دیتے یا نہ دیتے۔ اس دعویٰ کے دلائل درج ذیل ہیں:

① امام حسینؑ نے اپنے قیام کے اہداف کو سنت کے احیاء اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر قرار دیتے ہوئے بیضہ کے مقام پر حُر بن ریاحی کے سپاہیوں سے خطاب کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

> أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ: مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللهِ نَاكِثًا عَهْدَهُ مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ
>
> "اے لوگو! پیغمبر خداﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو اس جھوٹے حاکم کے آگے کھڑا ہونا چاہیے جو خدا کے حرام کردہ کو حلال کرتا ہو اور اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑتا ہو جو سنت و قانون رسول کی مخالفت کے دروازے کھولتا ہو اور بندگانِ خدا کے بیچ گناہوں، معصیتوں اور دشمنی کے بیج بوتا ہو اور اگر ایسے حاکم

کے خلاف (لوگ) اپنے کردار اور گفتار سے مخالفت نہ کریں تو پھر خداوند کریم کا یہ حق ہے کہ وہ ایسے فرد کو جہنم کی آگ کے اس طغیان کے مقام پر ڈال دے (جہاں اس کے حاکم کو داخل فرمائے گا)"۔

اس خطبہ میں امامؑ نے صراحت بیان فرمادی کہ میرے قیام کا مقصد ظلم و جور و استبداد کا مواخذہ کرنا ہے۔ اور جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا: "مدینہ سے میرے خروج کا مقصد میرے نانا کے قانون کا احیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر (کا فریضہ) انجام دینا ہے"۔ (کامل ابن اثیر جلد ۴، ص ۴۸)

◈ جس وقت یزید کی بیعت سے امامؑ کے انکار کی اطلاع اہل کوفہ کو ملی تو اس وقت انھوں نے ایک جلسہ منعقد کیا اور یزید کی بیعت نہ کرنے کا عہد کیا اور پھر امامؑ کو خطوط لکھے۔ امیر شام نے بھی امام سے طلب بیعت کی تھی مگر امامؑ نے اس مطالبے کو رد کر دیا تھا، اب ان کا بیعت یزید سے امتناع تو اہل کوفہ کی دعوت سے بڑھ کر اور درست تھا لہٰذا بیعت کا خطرہ دراصل اسلام کو درپیش تھا نہ کہ صرف امامؑ کو۔

◈ اگر امامؑ کے قیام کا اصل محرک اہل کوفہ کی دعوت تھی تو امامؑ پر لازم تھا کہ وہ پہلے سے احتیاط کر لیتے اور ابن عباس و دیگر کو مختلف امور کے لیے پابند کرتے۔ مگر چونکہ حقیقت یہ ہے کہ امامؑ کو ہرگز کوفیوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کو یہ اطلاع بھی دی گئی: قُلُوبُهُمْ مَعَكَ وَسُيُوفُهُمْ عَلَيْكَ "کوفہ والوں کے دل تمہارے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں تمہارے قتل پر آمادہ ہیں"۔

لیکن وہ پھر بھی اپنے طے شدہ قیام میں تبدیلی پر آمادہ نہ ہوئے اور انھی فرمودات کے ساتھ کہ جنھیں وہ روز اول ہی سے اپنے قیام کے اہداف کے طور پر ارشاد فرماتے آئے تھے، انھی کی تکرار روز آخر بھی فرماتے رہے۔

□□□

۱۴

امام حسینؑ نے اہلِ کوفہ کی دعوت کیوں قبول فرمائی؟

امام حسینؑ کا اہلِ کوفہ کی دعوت قبول کرنا اسی طرح ہے جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ولایت و حاکمیت قبول کرنا۔ (جیسا کہ) عثمان کے قتل کے بعد عوام نے جناب علیؑ کا گھیراؤ کرلیا تاکہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرسکیں۔ جس پر حضرتؑ نے فرمایا

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي، فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وُجُوهٌ وَأَلْوَانٌ، لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ، وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُولُ

"مجھے رہنے دو اور کسی اور سے طلب (بیعت) کرو، کیونکہ ہم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اس کے کئی رنگ، ڈھنگ اور چہرے ہیں"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۹۲)

جب اس کے بعد بھی آپ کو مجبور کیا گیا تو آپ نے اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَمْرُ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْلَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ، وَأَخْذُ اللَّهِ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَلَّا يُقَارُّوا عَلَى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُومٍ، لَأَلْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا، وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِهَا

"آگاہ رہو کہ مجھے اس ذات پروردگار کی قسم جس نے دانے کو

شافتہ کیا اور انسان کی تخلیق فرمائی، اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگوں کی جماعت میرے اردگرد ہوتی اور میری مدد کرنے کے لیے کھڑی ہوتی اور اس کی بنیاد پر میرے اوپر حجت تمام کی گئی ہوتی اور (یا) وہ عہد نہ ہوتا جو خداوند کریم نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی ظلم پر اور مظلوم کو خالی شکم رہنے پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں (علی) خلافت کی مہار اس (اونٹ) پر ڈال چھوڑتا (اس سے صرف نظر کرتا) اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۳)

امام حسین علیہ السلام نے انہی جیسے لوگوں کے واسطے کہ جنہوں نے بیعت کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا رکھے تھے حجت تمام فرمائی۔ امامؑ کے لیے کوفیوں کی درخواستوں کو رد کرنے کا کوئی جواز نہ تھا اور اگر وہ اہل کوفہ کی درخواستوں کے جواب میں یہ فرماتے کہ چونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ میرے حق میں بے وفائی فرمائیں گے لہٰذا میں آپ کی درخواست پر مثبت جواب نہ دوں گا تو یہ ایک غیر تسلی بخش اور امامؑ کے شایان شان جواب نہ ہوتا اور اہل کوفہ یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ وہ تو اپنے عہد پر کاربند رہے مگر امام کا طرز عمل (خدانخواستہ) مختلف تھا۔

۱۵

کیا یزید قتلِ حسینؑ کا ارادہ رکھتا تھا یا کہ محض بیعت کا متمنی تھا؟

یزید اس بات کے درپے تھا کہ امام حسینؑ سے ایک امتیاز حاصل کر سکے۔ اسی لیے اس نے اپنے باپ کے کہنے کے مطابق مدینہ کے گورنر کو خط لکھا کہ حسینؑ، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر سے میرے لیے بیعت حاصل کرو۔ یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اگر امام حسینؑ یزید کی بیعت کر لیتے تو شاید یزید امام سے خود سروکار نہ رکھتا۔ لیکن امام حسینؑ بنو اُمیہ، یزید کے خاندان اور اس کے عزیز و اقارب کے بارے میں جو علم رکھتے تھے اس کی بنا پر، اور اس وقت کی سیاسی حالت کی بنا پر یہ ممکن نہ تھا کہ امام اپنی رائے کو فروخت کرتے اور امتیاز (بیعت) یزید کو دیتے۔ (حماسہ حسینی جلد ۳)

یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اگر یزید کو اس کا احساس ہوتا کہ امام حسینؑ اپنے قتل ہونے پر آمادہ ہو جائیں گے تو وہ امام سے الجھنے سے گریز کرتا اور قتل کی نوبت نہ آتی کیونکہ اس جنگ نے اس کے لیے سنگین نتائج پیدا کیے۔ مگر کیا خلیفہ وقت کی بیعت سے انکار قابلِ مواخذہ جرم ہوتا ہے؟

کیا اس قابلِ مواخذہ جرم کی سزا اور انجام قتل ہے؟ کیا حضرت علیؑ کے دور میں جن افراد نے ان کی بیعت سے انحراف کیا تو کیا امیر المومنینؑ نے انھیں قتل کروا دیا؟ پس خلیفہ وقت کی بیعت نہ کرنا اسلام کی حدود میں تو داخل تھا مگر اس کا انجام قتل کروا دینا غیر از اسلام تھا۔

□□□

۱۶

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کا بار کیوں نہ اُٹھایا؟

یزید نے خان حکومت سنبھالتے ہی والی مدینہ ولید بن عتبہ کو لکھا:

خُذِ الْحُسَيْنَ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ زُبَيْرٍ اَخْذاً شَدِيْداً لَيْسَتْ فِيْهِ رُخْصَةٌ حَتّٰى يُبَايِعُوا۔ وَالسَّلَام

"حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت حاصل کرنے کی خاطر سختی سے پیش آؤ اور اس معاملے میں ان کو کسی قسم کی رعایت، مہلت نہ دو"۔

امام حسینؑ کو اس معاملے میں تین میں سے کوئی ایک کام کرنا تھا:

① بیعت کر لیتے اور چھک جاتے۔ مروان کی مانند اُموی کے اعوان و انصار قرار پاتے۔

② بیعت نہ کرتے اور کنارہ کش ہو جاتے اور کسی دور یا پہاڑ کی اوٹ میں پناہ لے لیتے اور محمد بن حنفیہ اور ابن عباس جیسے افراد کی سرپرستی فرماتے اور فرائض امامت انجام دیتے رہتے۔

③ بیعت نہ کرتے، قیام فرماتے یہاں تک کہ اس عمل کے دوران شہید کر دیے جاتے۔ امامؑ نے یہی راہ منتخب فرمائی۔

یقیناً راہ اول منتخب کرنے یعنی بیعت کرنے کی صورت میں یہ مانا جاتا کہ امام حسینؑ نے اپنے دین و آخرت کو یزید کے دین کے ہاتھوں بیچ ڈالا اور انہیں امت

مسلمہ کے اُمور سے کوئی سروکار نہ رہتا ان کا مطمع نظر یہ ہوتا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے مگر اپنی جان بچ جائے۔ روز عاشور فرمایا:

يَابِيَ اللهُ لَنَا ذٰلِكَ وَ رَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ حُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَ انُوْفٌ حَمِيَّةٌ وَنُفُوْسٌ اَبِيَّةٌ

"ہم ہرگز اس ذلت کے بوجھ تلے نہیں دبتے، چونکہ خدا، اس کا پیغمبر اور مومنین ان ذلتوں کو قبول کرنے سے باز رہتے ہیں اور پاکیزہ ماؤں کے دامن اور اشرف آباؤ واجداد کی عقل کبھی اس قسم کی ذلتوں کو قبول نہیں کرتی"۔

دوم یہ کہ اصحاب اول، دوم، سوم کی بیعت اور امیرِ شام سے صلح اور یزید کی بیعت کرنے کے سلسلے میں صورت حال بہت مختلف تھی۔ مثلاً یزید کی بیعت نہ کرنے کا پہلا محرک امیر المومنین علیؑ پر سب وشتم اور زبان درازی کا خاتمہ تھا جو کہ امیرِ شام کے دور میں شروع کی گئی تھی۔

سوم یہ کہ یزید کی بیعت کرنے کا مطلب یزید کی حکومت کو حق تسلیم کرنا ہوتا کہ جس کے بعد لازم تھا کہ اسلام کی مکمل بربادی ہو جاتی جیسا کہ امامؑ نے خود فرمایا:

عَلَى الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيْدَ

"اسلام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے کہ جب یہ امت یزید جیسے کو حاکم تسلیم کر لے"۔

اسی لیے امام حسینؑ اس بات پر آمادہ تھے کہ بے شک قتل کر دیے جائیں مگر وہ بیعت نہ کریں گے۔

چہارم یہ کہ یزید ایک گناہگار شخص تھا اور اگر امام حسینؑ اس کی بیعت کر لیتے تو گناہ گار کو عدو فراہم کے سلسلے میں قابل مؤاخذہ قرار پاتے۔ قرآن مجید میں گناہگاروں

کی مدد سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورہ مائدہ، آیت نمبر ۲)

"گناہ اور حد سے بڑھنے والے کاموں میں مدد نہ کرو"۔

ایک گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ امام حسینؑ کا یزید کے ہاتھ بیعت نہ کرنے کا فلسفہ یہ ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ جانتے تھے کہ وہ یزید کے ہاتھوں قتل کر دیے جائیں گے تو پھر کیوں اس کی بیعت کی جائے۔ لہٰذا جو مصیبت ان کے سامنے آئی انھوں نے اسے گلے لگا لیا اور شہادت پائی اور خدا کی راہ میں قتل ہو گئے۔ اس قسم کی غلط نظری امامؑ کے قیام کے متعلق کم عقلی کا نتیجہ ہے اور جو لوگ اس نظریہ کا اعتقاد رکھتے ہیں انھوں نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا یا کم از کم عاشورا کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔

امام حسینؑ نے ان تمام حوالہ کی بنیاد پر جو نبی کریمؐ کی رحلت کے تیس برس بعد پیدا ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ یزید کی بیعت نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کا وہ عمل رسول اللہؐ کی تمام تکالیف اور ان کے والد امیر المومنینؑ کی تمام تر جدوجہد اور بھائی امام حسنؑ کے تمام مصائب و آلام پر ڈالے رہنے کی کوششوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہوتا۔

اس دوران محمد بن حنفیہ اور ابن عباس کی طرف سے ایک اور حل بھی ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ یہ کہ امامؑ بیعت نہ کریں لیکن پھر قیام بھی نہ کریں بلکہ خود کو کنارہ کش کر دیں اور کسی پُرامن جگہ پر پناہ حاصل کریں۔ یہ درست ہے کہ یہ راستہ یزید کی بیعت سے انکار کا اظہار تو کرتا ہے لیکن نہی عن المنکر کو انجام دینے کا بھی اظہار کرتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو کہ امام کو گوارا نہ تھی۔ اور پھر یہ کہ کہاں فرزند علیؑ کی انا و بلند روح اور کہاں صحراؤں اور پہاڑوں میں فرار؟ خارج از امکان تھا کہ وہ مدینہ سے مکہ روانگی کے وقت معروف شاہراہوں کو چھوڑ کر چور راستوں کا انتخاب فرماتے۔

□□□

۱۷

کیا امامؑ نے بیعت یزید کا کبھی کوئی وعدہ کیا تھا؟

امام حسینؑ کی تاریخ قیام سے مترشح ہے کہ انھوں نے کبھی صلح یا بیعت کی پیشکش نہ کی۔ اُموی حکومت امامؑ سے محض ایک حمایت (بیعت) کی طلبگار تھی مگر امامؑ نے تمام تر تکالیف اور مصائب کے باوجود صبر فرمایا اور خود کو شہادت کے لیے پیش کر دیا۔ امام حسینؑ کے وہ فرامین جو مدینہ تا کربلا ارشاد فرمائے گئے وہ ان کے عزم محکم، آمادگی شہادت اور جھوٹ کے سامنے سدراہ بننے پر دلالت کرتے ہیں۔

عمر اطرف کو جواب

جب امامؑ مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو ان کے خیر خواہوں کی ایک جماعت ان سے ملاقات کے لیے آئی۔ اس کے دوران فرزند امیر المومنینؑ (علی) اور برادر امام حسینؑ، عمر اطرف نے یزید سے مصالحت کی درخواست کی۔

اس پر امام حسینؑ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَا اُعطِی الدَّنِیَّۃَ مِن نَفسِی اَبَدًا

"خدا کی قسم میں ہرگز اس ذلت کا بوجھ نہ اٹھاؤں گا"۔

محمد بن حنفیہ کو جواب

امام حسینؑ نے محمد بن حنفیہ کو ایک پیشکش کے جواب میں فرمایا:

يَا اَخِيْ! لَوْ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا مَلْجَأٌ وَلَا مَأْوًى لَمَا بَايَعْتُ
يَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَه

"اے بھائی! اگر اس وسیع دنیا میں کوئی پناہ گاہ اور ٹھکانہ نہ بھی باقی رہے تو میں پھر بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا"۔

مروان بن حکم کو جواب

مسلمان یزید جیسے کی حاکمیت کے گرفتار ہو گئے ہیں لہٰذا پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینا چاہیے کیونکہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے:

"جس دن تم امیر شام کو منبر پر بیٹھے دیکھو اسے مار ڈالو"۔

لیکن پھر بھی مدینہ نے کیوں اسے منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھے دیکھ کر مجھے نہ مارا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان کو یزید جیسے فاسق کی حاکمیت (معصیت) میں گرفتار کر دیا ہے۔

ولید بن عقبہ کو جواب

"یزید ایک شراب نوش ہے اور اس کے ہاتھ بے گناہ افراد کے خون سے رنگین ہیں۔ میں ہرگز ایسے فاسق شخص کی بیعت نہ کروں گا"۔

قیس بن اشعث کو جواب

روز عاشور امامؑ نے اپنے بیعت نہ کرنے کے عزم کو دہرایا اور اور فرمایا:

"خدا کی قسم میں کبھی ان سے ذلت پر ہاتھ نہ ملاؤں گا اور نہ ہی غلاموں کی مانند اس میدان جنگ سے فرار ہوں گا"۔

یہ تمام فرامین اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ امامؑ نے یزید کی بیعت کرنے

سے انکار کر دیا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ امامؑ نے نہ ہی کبھی صلح کی پیشکش کی۔ یہ ضرور ہوا کہ جب ولید نے ۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امامؑ سے یزید کی بیعت طلب کی تو امامؑ نے اس سے کچھ وقت اور مہلت (سوچ وبچار کے لیے) مانگی اور پھر اسی شب مکہ کی جانب ہجرت فرما گئے۔

□□□

۱۸

امام حسینؑ نے معجزہ سے یزید کی حکومت کیوں نہ گرادی؟

کربلا کی جنگ کے بارے میں اکثر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے معجزانہ قوت کا اظہار کر کے حکومت یزید کا خاتمہ کیوں نہ کر دیا؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے کہ پیغمبر اور امام اپنے تمام امور کو عام انسانوں کی طرح بجالاتے ہیں اور اپنی زندگی کے سیاسی، معاشرتی اور ذاتی امور کو قدرتی اور عمومی طریقے سے گزارتے ہیں۔

وہ صرف اس وقت اپنے اعجازات دکھلاتے ہیں جب انھیں اپنی نبوت و امامت کے (حق ہونے کے) ثبوت میں فوق العادہ (معجزہ) فعل انجام دینا پڑے۔ اور اگر پیغمبر اور امام اس کے علاوہ اعجازات برپا کرتے رہیں تو پھر انسانوں پر ان کی حجت تمام نہیں ہوتی اور وہ کسی طور عام انسان پر برتری کے حامل قرار نہیں پا سکتے۔

□□□

۱۹

آخر کیوں امامؑ کسی ترکیب سے عضو فاسد (یزید) کو نظام سے نہ نکال سکے اور اس کے برعکس خود اس سے نکل گئے؟

جنگ عظیم دوم کے بعد عراقیوں کے معالجہ کے لیے ایک ایسا طریقہ عام ہوا کہ جس کے ذریعے انتقال خون کے طریقے سے علاج کیا گیا۔ طبیبوں اور جراحوں نے تحقیق کی کہ کس قدر مریض ایسے ہیں جو جراحی اور دیگر امراض کی وجہ سے خون کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور انجام کار موت سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس لیے خون کی کمی کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے الگ سے (صاف) خون کے انتقال کا طریقہ ایجاد کیا اور اس نئے کام کے ذریعے سے انھوں نے بیمار جسم کو تازہ حیات بخشی اور کچھ عرصہ مزید زندگی کی نعمت کو آگے بڑھایا۔

پس یہاں بھی یہی صورت حال ہوئی کہ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد وجود میں آنے والی اسلامی حکومتوں خصوصاً حکومت بنی اُمیہ کے ہاتھوں اسلام کے بدن پر ایسی ضربیں لگیں کہ جسد اسلامی قریب المرگ ہو گیا اور اس وقت ضرورت پڑی کہ اس کی رگوں میں تازہ خون منتقل کیا جائے۔ لہٰذا جیسا کہ عام زندگی میں ہوتا ہے کہ انتقال خون سے پہلے درج بندی کی جاتی ہے تو اس معاملہ میں بھی خونِ حسینؑ کے علاوہ کوئی

خون نہ تھا کہ کہ جسے اسلام کے جسم میں منتقل کیا جاتا۔

اس واقعے میں امام حسینؑ کی مثال اس طبیب کی مانند ہے کہ جو بہت ہی بیش بہا خصیت کے سرہانے کھڑا ہو اور دیکھے کہ ماسوائے اپنے خون کے کسی اور کا خون منتقل کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ اپنی ہی آستین اوپر چڑھا لے اور اپنا خون منتقل کردے یہاں تک کہ بیمار کو بچاتے ہوئے اپنی جان کھودے اور بیمار صحت یاب ہوجائے۔ ①

اسی لیے امام حسینؑ نے فداکاری کے اعلیٰ ترین مظہر کے عنوان سے انسانیت کا علم بلند کیا اور فرمایا:

هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ۔

"اگرچہ میں گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال کردیا جاؤں لیکن میں ہرگز یزید کی بیعت کے غلیظ بوجھ کو نہ اٹھاؤں گا۔ میں یزید کی اس فاسد حکومت کو قبول نہ کروں گا حتیٰ کہ مجھے قتل بھی کردیا جائے"۔

□□□

① امامؑ نے بھی اس بیمار دین کو اپنا اور اپنے اصحاب کا خون منتقل کیا اور اس کی بھلائی کے لیے سیدہ زینبؑ نے اپنے سر کی چادر اوڑھا کر اس دین کو ہمیشہ کے لیے ہر قید سے آزاد کیا۔ (مترجم)

۲۰

کیا امام حسینؑ نے کسی خاص حکمت عملی کو اپنایا تھا؟

جنگ کربلا کی بحث و تمحیص کے ضمن میں ایک مورد ایسا اہم بھی ہے کہ جو بیان طلب ہے۔ کیا امامؑ کی یہ پیش قدمی کسی خصوصی دستور کا باعث تھی کہ جسے عالم خواب یا بیداری میں حضرت امام حسینؑ کو بذریعہ الہام آگاہ کیا گیا یا پھر ایسا معاملہ نہ تھا؟

اگرچہ عام طور پر کہنے والے اس طرح کی بات کرتے ہیں اور اپنے فی خیالات کے لحاظ سے یہ چاہتے ہیں کہ مقام امام حسینؑ کو اس طرح سے بلند کریں تو کہتے ہیں کہ امام کو یہ خصوصی دستور دیا گیا تھا (یعنی الہام کے ذریعے بتایا گیا تھا اور حکمت عمل سمجھائی گئی تھی۔۔۔۔ مترجم)۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں منسوب کریں تو ہم نے امامؑ کے مقام کو بلند نہیں کیا بلکہ امام کے قیام کی اہمیت اور عظمت کو گھٹا کر پیش کیا ہے۔ مثلاً:

اوّل: اگر امامؑ کو ایک مخصوص لائحہ عمل بتا دیا گیا تھا پھر یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم انہیں بطور امام، پیشوا و مرشد قبول کریں اور ان کی شخصیت کو بحیثیت ایک کتب کے سامنے رکھیں۔ ①

---

① اگر امامؑ کو کوئی لائحہ عمل دیا جاتا اور وہ محض مجبور ہو کر اسے الہام دیتے تو پھر اس میں امامؑ کی کوئی بڑائی نہ ہوتی لیکن چونکہ وہ اختیار رکھتے تھے اور امامت کے درجہ پر فائز تھے اس لیے وہ عام انسانوں کے لیے نمونہ بنے۔ (مترجم)

۴ھ: امام حسینؑ نے اپنے اس معروف خطبے میں جو بیضہ کے مقام پر لشکر کے سپاہیوں کے سامنے فرمایا تھا، اس خصوصی لائحہ عمل کی تشریح کی تھی کرتا ہے:

مَنْ رَأَىٰ سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللهِ نَاكِثًا عَهْدَهُ مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ

"اے لوگو! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہر مسلمان جو ایسے حاکم کو دیکھے جس نے حرام خدا کو حلال کیا ہو اور وہ عہد خدا سے باندھا تھا توڑ ڈالا ہو اور سنت و دستور رسولؐ اللہ کی مخالفت کرتا ہو اور بندگان خدا کے بیچ گناہ و معصیت و دشمنی کو پروان چڑھاتا ہو مگر وہ ایسے (حاکم) کی اپنی زبان اور کردار سے مخالفت نہ کرے تو خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے آتش جہنم کی اس دگرگونی میں داخل کرے جہاں اس سلطان کو داخل کرے گا"۔

امامؑ نے کربلا میں داخل ہوتے ہوئے ایک اور معروف خطبے میں فرمایا تھا:

أَلَا تَرَوْنَ إِلَى الْحَقِّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَإِلَى الْبَاطِلِ لَا يُتَنَاهَى عَنْهُ لِيَرْغَبَ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللهِ

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر نہ تو عمل کیا جا رہا ہے اور نہ ہی باطل سے روگردانی ہو رہی ہے۔ بہتر ہے کہ اس بدترین صورت حال میں باایمان اور افضل فرد اپنی جانثاری اور جانبازی کا مظاہرہ کرے اور اپنے پروردگار کے دیدار کے شوق میں بے تابی دکھائے"۔

مطلب یہ ہے کہ یہ ہر مومن کی ذمہ داری تھی نہ کہ فقط امام حسینؑ کی بحیثیت امام ہونے کی تھی۔

سوم: اگر امام حسینؑ کی رہنمائی کے لیے کوئی فرشتہ آیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ امامؑ اپنے شخصی اور شعوری فریضے کو جاننے اور اسے جاری رکھنے پر قادر نہ تھے۔

چہارم: امام حسینؑ نے حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دہرایا کہ اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَن یَرَاکَ قَتِیْلًا۔ یہاں مراد مشیت تکوینی نہیں بلکہ مشیت تکلیفی ہے یعنی اس بات میں ہر مسلمان شامل ہے نہ کہ یہ بات محض امام حسینؑ سے مخصوص ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ امام کا قیام اسلام کا کلی دستور تھا جسے امامؑ نے اپنے مکمل اختیار سے اپنایا اور اپنے تمام ارادے اور صوابدید کے تحت پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ (حماسہ حسینی، جلد سوم ص ۸۴، ۸۷)

□□□

کیا یزید کی حکومت کے انکار اور اس کی سرنگونی کے لیے امام حسینؑ کا شہادت پانا ناگزیر ہو چکا تھا؟ اور کیا امامؑ نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی شرائط کو ملحوظ رکھ کر یہ عمل انجام دیا؟

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وجوب کی شرائط میں ایک شرط ضرر یا فساد اور خطرے کا عدم وجود بھی ہے۔ لہٰذا اگر امر بالمعروف سے اپنی یا دوسرے افراد کی جان و مال کے لیے خطرہ یا فساد پیدا ہونے کا احتمال ہو تو پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب نہیں ہوتا۔ اب کیا امامؑ اس شرط کی طرف متوجہ ہوئے تھے؟ اگر متوجہ تھے تو پھر کیوں اپنی اور اپنے اصحاب و انصار کی جان کو شہادت کی جانب لے گئے اور اپنی عترت (اہل بیتؑ) کو اسیر کروا ڈالا؟۔ اس ضمن میں فقہائے اسلام کے فتاویٰ کے ذریعے جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ظالم حکومت کی پذیرائی اور کسی بھی قسم کی امداد جائز نہیں۔ خداوند کریم نے فرمایا ہے

وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ہود: آیت ۱۱۳)

"اور ظالموں کی طرف کبھی نہ جھکنا، ورنہ تم لوگ بھی دوزخ کی لپیٹ میں آجاؤ گے"۔

اب اگر امام حسینؑ باطل حکومت کی بیعت کر لیتے اور اسے جائز مان لیتے تو ظالم سے رغبت کے گناہ میں محسوب ہوتے کہ جو قرآن اور اسلام کی نظر میں حرام ہے۔ علاوہ ازیں سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: آیت ۲)

"دشمنی اور گناہ میں کسی کی معاونت نہ کرو"۔

یعنی گناہ گار کی کسی طور بھی مدد نہ کی جائے۔ اگر امام حسینؑ باطل حکومت کو مان لیتے تو یہ ایک طرح سے اس کے ناجائز اور حرام افعال کی توثیق کے مترادف ہوتی جو کہ جائز ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہر مکتب سے انکار کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ صرف بیعت جائز نہ تھی بلکہ ظالم کے سامنے ڈٹ جانا بھی واجب ہو گیا تھا چاہے وہ زبان سے ہو یا پھر تیر و تلوار سے ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے امیر شام کے زمانے میں زبان کے ذریعے مقابلہ کیا اور نہی عن المنکر کو انجام دیا۔ ایک مرتبہ امیر شام کو تحریر فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ فِتْنَةً أَعْظَمَ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ وِلَايَتِكَ عَلَيْهَا

"میں جانتا ہوں تیری ذات کا فتنہ اس ملت پر تیری حاکمیت سے بڑھ کر ہے"۔

اور پھر یزید کے زمانے میں امامؑ نے اسی روش کو مناسب سمجھا کہ تیر و تلوار سے اس ظلم و فساد کا انکار کریں اور یزید کا مقابلہ مسلح ہو کر انجام دیا جائے۔ لہٰذا یزید سے جنگ مکر کا خاتمہ اور امر معروف کے احیا کی خاطر امامؑ پر واجب تھی۔ کیونکہ یزید کے دور حکومت میں ریاست ظلم و استبداد اور عظیم فساد سے دوچار ہو چکی تھی۔ ایک ایسی ریاست جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے خبر دی تھی۔

سَيَأْتِي عَلَى أُمَّتِي زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ

وَمِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ

"میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا جب اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن سوائے کاغذ کے سطور پر نقش کلمات کے اور کچھ نہ ہوگا"۔

□□□

۲۲

کیا شہادت پانا امامؑ کی مجبوری تھی؟

ان اللہ شاء ان یراک قتیلا میں شاء سے کیا مراد ہے؟

جن لوگوں نے امام حسینؑ کو عراق کے سفر پر نہ جانے کی درخواست کی تھی ان میں سے ایک محمد بن حنفیہ تھے۔ ان کی اس درخواست کے جواب میں امام حسینؑ نے فرمایا کہ میرے جد رسولِ خداؐ نے خواب میں فرمایا:

اُخْرُجْ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاءَ یَرَاکَ قَتِیْلًا

"خروج کر کہ خدا تجھے قتل ہوتا دیکھنا چاہتا ہے"۔

لہٰذا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جس قدر امام حسینؑ کے فرمودات سے پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ امام شہادت پانے کے لیے مجبور تھے کیونکہ شہادت کا مسئلہ امامؑ کے لیے تقدیر و مشیت اور ارادہ خداوندی کے عین لازم قرار دیا جا چکا تھا کہ جس سے اجتناب ممکن نہ تھا۔ اس قسم کی شہادت قابلِ داد نہ ہوگی اور نہ ہی ان کے قاتلین قابلِ ملامت و سرزنش قرار پائیں گے۔ لہٰذا جیسا کہ امامؑ کی شہادت مشیت و ارادہ الٰہی تھی اور امامؑ کے اپنے ارادے اور اختیار سے خارج تھی اسی طرح ان کے قاتلین بھی اپنے اختیار میں آزاد نہیں تھے بلکہ مشیت الٰہی نے انھیں مجبور کر رکھا تھا۔ جبکہ ہم نے اس لفظ شاء کے معانی پر بحث شروع کر دی ہے اس لیے اب اس شبہ کا جواب قدرے دقیق طور پر بیان ہوگا۔

"شاء" تکوینی ہے؟

خدا کا ارادہ تکوینی انسانوں کے دائرہ اختیار سے خارج ہے اور اگر کسی چیز سے

اس کا تعلق ہو تو اس کا ہونا ناگزیر ہے۔ لہٰذا اس جہان کے تمام وجود کی اساس خدا کے اس ارادہ تکوینی کے مرہون منت ہے جیسا کہ زمین و آسمان و انسان کی خلقت وغیرہ۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر امام کا قتل ہونا ارادۂ تکوینی الٰہی قرار نہیں پاتا۔

"شاء" تشریعی ہوگی؟

خداوند کریم کا ارادہ تشریعی بھی عبارت ہے ہر اس چیز سے کہ جس میں مصلحت ہو، مورد امر (قابل عمل) مراد ہوگا اور ہر اس چیز سے کہ جس میں ضرر و فساد ہو مورد نہی (قابل ترک) قرار پائے گا۔ لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ خدا کا یہ ارادہ تشریعی انسان کے اختیار سے خارج ہے بلکہ انسان اس کے ترک کرنے اور اختیار کرنے میں کلی طور پر مختار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں اس مشیت کو اختیار کرنے یا ترک کرنے میں آزادی دی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ میں۔

اب اس لفظ "شاء" کے معانی کے واضح ہونے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ امامؑ خود کو اس دستورات الٰہی میں شامل سمجھتے تھے جو جہاد و دفاع سے متعلق دستور دیئے گئے تھے اور اس طرح سے ریاست (اسلامی) میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اجرا پر مبنی دستورات الٰہیہ میں بھی خود کو شامل سمجھتے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ اگر اس دور میں انھوں نے جہاد نہ کیا تو پھر اسلام کی خاتمہ ناگزیر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> "اب جبکہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اجرا پر مامور ہوں
> اس لیے ارادہ اور مرضی خدا یہ ہے کہ میں شہادت کے مرتبے پر
> فائز ہوں اور میرے اہل بیتؑ اسیر ہوں"۔

اسی لیے امامؑ نے آزادانہ بنیاد پر شہادت کا راستہ اختیار کیا اور نکل پڑے۔

۱۳

کیا امام حسین علیہ السلام کا قیام اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا تھا؟

کچھ لوگ اس بات کے معتقد ہیں کہ امام حسینؑ کو اپنے قتل ہو جانے کا علم تھا تو پھر کیوں انھوں نے ایسے عمل اقدام کیے۔ ایسے میں اپنی زندگی کے حفاظت اور وہ بھی اپنے پاک خون کی حفاظت واجب نہیں تھی؟ کیا خداوند کریم نے قرآن میں نہیں فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۵)

"اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔

تو کیا اس سلسلے میں امامؑ کا عمل اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے؟ یہ سچ ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے لیکن قیامِ امام کا عمل خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں تھا۔ مثلاً اگر کوئی بھی اللہ کی راہ میں قتل ہونے کو جان کو ہلاکت میں ڈالنا تصور کرتا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام غزوات کو بھی اس ضمن میں شامل کرے۔ اور مزید یہ کہ اسلام کی اولین جنگوں میں جبکہ مسلمان طاقت و قدرت کے حامل نہ تھے تو کیا بدر کی جنگی فوجیوں کو دو سو فوجیوں سے مقابلہ کا وجوب بھی خود کو ہلاکت میں ڈال دینا تصور کیا جائے جبکہ یہ مسلمانوں کے اجماع میں درست نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اس آیت کا مفہوم ان معنی میں لینا ٹھیک نہیں کہ خدا کی راہ میں

جہاد نہ کرو کیونکہ تم مر جاؤ گے اور خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو بلکہ یہ ذکر ان موارد میں نازل ہوا تھا کہ جب مسلمان جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے (اور یہ آیت نازل ہوئی) کہ ہر شخص اپنی استطاعت و وسعت کے مطابق ساز و سامان، اسلحہ، زاد راہ اور سواری کا بندوبست کرے تاکہ اسلحہ اور خوراک وغیرہ مہیا ہو جائے اور اکثر تفاسیر میں بیان ہے کہ یہ آیت دشمن سے جنگ کے لیے مال خرچ کرنے سے متعلق ہے اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ خود کو جہاد کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نہ روکو اور ترک انفاق نہ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو جیسا کہ مکمل عبارت ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ بقرہ، آیت ۱۹۵)

"خدا کی راہ میں خرچ کرو اور ترک انفاق کر کے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو کیونکہ خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے"۔

علامہ طباطبائی آیت کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں: انفقوا، انفاق (خرچ) کرو۔ جنگ میں مالی مقدمات کی تیاری کے وجوب کی حکایت ہے جو کہ جنگی ساز و سامان اور جنگ پر آمادہ ہونے اور جنگی وسائل کی فراہمی پر خرچ کرنے سے عبارت ہے۔ اور یہ جملہ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ مطلق ہے اور اس سے مراد، افراط و تفریط میں ہر چیز کی نفی ہے جو کہ ہلاکت کا سبب بنتی ہے جیسا کہ جنگ و جہاد کے دور میں بخل و کنجوسی، طاقت و قدرت کو ریزہ ریزہ کرنے اور نابودی سے دوچار کرنے کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں لشکر اسلام مغلوب ہو کر ہلاکت میں گرتا ہے اور دشمن اس پر غالب آ جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے جب مال میں حد سے زیادہ خرچ اور اسراف کیا جاتا ہے تو یہ فقیری و تنگدستی کا موجب قرار پاتا ہے اور یہ دونوں صورتیں زندگی میں انحطاط اور

بے عزتی کا باعث بنتی ہیں۔ (السیرۃ ابن جلد ۱، ص ۳)

خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے اور خود کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مقصد کی خاطر راہ خدا میں مصیبت و مشقت سے دوچار کرنے میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں ڈالنا بدبختی اور سیاہ روئی ہے جبکہ دوسری صورت میں سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ پس آیات قرآنی اور فرامین ائمہ معصومین کی روشنی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر راہ خدا میں خود کو خطرے سے دوچار کرنا اور جانثاری اور فداکاری کے لیے پیش کرنا ہلاکت میں خود کو ڈالنا نہیں بلکہ ایک باعزت انسان کے لیے بہت اعلیٰ شرافت و کرامت کا باعث ہے۔ اللہ کی راہ میں شہادت اور جانثاری ہلاکت کے معنوں میں بیان نہیں ہوتی ہے کیونکہ ہلاکت اس مقام پر ہوتی ہے جہاں مقصد قربت الٰہی کا حصول نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں راہ خدا میں قتل کیے جانے والوں کو زندہ رہنے والوں اور شہادت پانے والوں میں شمار کیا ہے اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○

"وہ جو راہ خدا میں لڑے اور مارے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں"۔ (آل عمران آیت ۱۶۹)

■■■

۲۲

امام حسینؑ کے لیے یزید کے اس قدر شدید عمل کا فلسفہ کیا تھا؟

عظمتِ امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام ملت مسلمہ کی نظر میں اس قدر عالی مرتبہ تھے کہ اگر عوام آزاد ہوتے تو یزید کو رد کر کے امام کو خلافت کے لیے چن لیتے۔ اگر امام خود زمامِ حکومت قبول نہ بھی کرتے اور جس کسی کو بھی زمامِ حکومت سونپتے تو عوام کی اکثریت اس کی پذیرائی کرتی۔ کیونکہ امام حسینؑ پیغمبر اسلام کے خاندان کی بزرگ ترین شخصیت ہونے کے علاوہ اپنی دست نظری، دانشمندی، حکمت، بلند ہمتی اور اعلیٰ صفات کے باعث درجہ اول پر فائز تھے کہ جو ایک قائد حکمران کے لیے لازم صفات ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر دوست و دشمن ان کی شخصیت کی عظمت و بے مثل ہونے کے معترف تھے۔ مثلاً امیر شام نے یزید سے کہا تھا:

حُسَیْنٌ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی النَّاسِ

"حسینؑ ابن علیؑ لوگوں کی نظر میں تمام لوگوں کی نسبت محبوب ترین شخصیت ہیں"۔

اسی لیے اگر امام حسینؑ یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیتے تو عوام کی اکثریت ان کی

داروی کرتے ہوئے یزید کے آگے جھک جاتی اور اس کے لیے راہ حکومت آسان ہوجاتی۔

خاندانِ رسولؐ سے ذاتی دشمنی

جو کینہ بنو امیہ کو بنو ہاشم اور خصوصاً خاندانِ رسول ﷺ سے تھا اس کی بنیاد پر یہ خاندان لوگوں کو خاندان بنی ہاشم کی دشمنی پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔ یزید اسی خاندان کا فرد تھا کہ جس کی ذاتی طینت و تربیت خاندان عصمت و طہارت کے مخالف تھی۔ چونکہ بنو امیہ خاندان ہاشم سے قبل اسلام سے ہی دشمنی رکھتے تھے اور یہ اسلام کی آمد اور غلبے کے بعد اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اسی وجہ سے ابوسفیان ہر ممکنہ حد تک رسول خداؐ سے برسرِ پیکار رہا۔ دوسرا یہ کہ جنگ بدر میں خاندان ابوسفیان کو اسلام کی تلوار سے مہلک ضربیں سہنی پڑیں اور امیرِ شام کے تمام بھائی اور والدین کے جد مارے گئے اسی لیے ہندہ جگر خوار نے رسولؐ اللہ کے محبوب چچا کے جگر کو چبایا اور رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائی۔ اسی کا تسلسل ہمیں جنگ صفین، اور پھر امام حسنؑ سے جنگ اور زہر سے ان کی شہادت میں نظر آتا ہے بلکہ کربلا اور اس سے آگے تک جاری رہتی ہے۔

امام حسینؑ کا یزید کی بیعت سے انکار اور حکمت عملی

یزید کے لیے تمام تر حوالہ میں سب سے زیادہ سنگین امر امام حسینؑ کا یزید کی بیعت سے انکار تھا کیونکہ وہ امام سے ایک امتیازی رائے کا طلبگار تھا جو کہ امام نے اسے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یزید اس انکار کو اپنے لیے اور اپنی حکومت کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امام کو اپنی بیعت کرنے پر مجبور کر دے۔

امام حسینؑ کا بنی اُمیہ کی حکومتی مشینری پر اعتراض

امام حسینؑ ہمیشہ سے بنو امیہ کی حکومتی مشینری کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی

ادائیگی کے لیے فیصلہ فرماتے اور ان کے خلاف خراج کاموں پر اعتراض صادر فرماتے۔ وہ اس امر کو دربار شام میں بھی نبھاتے رہے اور پھر دربار یزید میں بھی اسے جاری رکھا۔ یزیدی حکومت اس سلسلے میں بہت حساس ہو چکی تھی۔

یزیدی سیاست

یزید بن معاویہ یہ چاہتا تھا کہ ایک تیر سے دو شکار کرے یعنی ایک جانب قومی حریف کو میدان سے باہر نکال دے اور دوسری جانب رائے عامہ اور عوامی خیالات کو نسل حسینؑ کے ذریعے دبا سکے۔

□□□

۲۵

امام حسینؑ نے امیرِ شام کے دور میں قیام کیوں نہ کیا؟

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ امامؑ نے امیرِ شام کے دور میں اس لیے قیام نہ کیا کیونکہ اس وقت صلح امام حسنؑ کا ورود ہو چکا تھا اور امام حسینؑ اپنے بھائی اور امام کے خلاف کوئی روش نہیں اختیار کرنا چاہتے تھے۔ یہ توضیحات صحیح نہیں ہیں کیونکہ خود امیرِ شام نے اس صلح نامہ اور اپنے قائم کردہ پیمان کو توڑ ڈالا تھا۔ قرآن کی رو سے وہی عہد و پیمان قابلِ احترام قرار پاتا ہے کہ جس کی حرمت کا خیال فریقین رکھتے ہوں۔ مثلاً جب قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑ ڈالا تو پھر نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس کی حیثیت سوائے کاغذ کے ٹکڑے کے کچھ نہ رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ چند وجوہات کی بنا پر امامؑ نے امیرِ شام کے دور میں قیام نہ کیا۔ مثلاً:

اول: امامؑ جانتے تھے کہ امیرِ شام کے دور میں ریاست اور امت قیام کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ درحقیقت یہ صلح امامؑ کے قیام کے لیے بنیاد فراہم کرنے والی قرار پائی۔

دوم: امامؑ نے دورِ امیرِ شام میں ہمیشہ جائز اعتراضات کیے اور اپنے خطوط میں امیرِ شام کو ان کی بابت لکھا۔ انھوں نے قریب و بعید کے شہروں میں مقیم بزرگوں اور سرداروں کو غور و فکر کے لیے اکٹھا ہونے کے لیے کہا اور اس دور کی بدنظمی کی طرف توجہ دلائی۔

سوم: یزیدی سیاست اپنے باپ سے مختلف تھی۔ اس کی حکومت میں دین کو

زیادہ خطرات لاحق تھے۔ امامؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

یَا اَخِی! لَوْلَمْ یَکُنْ فِی الدُّنْیَا مَلْجَأٌ وَلَا مَأْوًی لَمَا بَایَعْتُ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَہ

"اے برادر! اس وسیع دنیا میں میرے لیے کوئی پناہ گاہ اور ٹھکانہ نہ رہے تو میں پھر بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کروں گا"۔

مروان بن حکم کے جواب میں فرماتے ہیں:

عَلَی الْاِسْلَامِ اَلسَّلَامُ اِذَا بُلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِرَاعٍ مِثْلَ یَزِیْد

"مسلمانوں کا حاکم یزید جیسا شخص ہو تو پھر لازم ہے کہ اسلام پر فاتحہ پڑھ لی جائے"۔

امام علیہ السلام کے یہ فرمودات دلائل فراہم کرتے ہیں کہ انھوں نے اس دور میں قیام کی ضرورت کو اخذ کر لیا تھا۔ وہ یہ ضرورت دور امیر شام میں محسوس نہ کرتے تھے۔

چہارم: امیر شام نے کچھ وجوہات کی بنا پر جو اثر و رسوخ بڑھا رکھا تھا وہ یزید کو میسر نہ تھا مثلاً وہ خلفائے ثلاثہ کے والی کی حیثیت سے بلاد شام میں معروف تھا۔ اس کے علاوہ ام المومنین ام حبیبہ کے بھائی کی حیثیت سے اور کاتب وحی کے عنوان سے اسے کافی مشہور کیا گیا تھا۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳)

پنجم: امام حسینؑ نے اہل بصرہ کے نام تحریر کردہ نامہ میں دور امیر شام میں قیام نہ کرنے کی وجوہات اس طرح تحریر فرمائیں:

کُنَّا اَھْلَہٗ وَاَوْلِیَائَہٗ وَاَوْصِیَائَہٗ وَوَرَثَتَہٗ وَ اَحَقَّ النَّاسِ بِمَقَامِہٖ فِی النَّاسِ فَاسْتَاْثَرَ عَلَیْنَا قَوْمُنَا بِذٰلِکَ فَرَضِیْنَا وَکَرِہْنَا الْفُرْقَۃَ وَاَحْبَبْنَا الْعَافِیَۃَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ اَنَّا اَحَقُّ

بِذٰلِكَ الْحَقُّ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْنَا مِنْ تَوَلِّهٖ

"ہم خاندان اولیاء اوصیا اور پیغمبر اسلام ہیں اور اسی نسبت سے امت کے درمیان زیادہ فضیلت رکھنے والے تھے مگر ایک گروہ نے ہم سے آگے بڑھ کر ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ ہم نے ان لوگوں کی نسبت اپنے علم و دانش کی فضیلت اور برتری کی بنیاد پر، پیش آنے والی دشمنوں کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہر فتنہ و فساد، اختلاف اور نفاق کی روک تھام کی اور اپنے حق پر مسلمانوں کے آرام و سکون کے لیے رضا و رغبت کا مظاہرہ کیا"۔ (تاریخ طبری جلد ۷، ص نمبر ۲۴۰)

■□□

۲۱

کیا امام حسین علیہ السلام کو اپنے قتل ہونے کا علم تھا؟

فرمودات امام حسینؑ کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امامؑ کو اپنے قتل ہونے کی خبر تھی اور اسی علم و آگاہی کی بنیاد پر انھوں نے اپنے مخصوص اہداف مقرر کیے۔ امامؑ کے ان فرمودات اور قرائن کا مختصر بیان درج ذیل ہے:

① جس وقت امامؑ مدینہ سے خروج کرتے ہیں تو زوجہ رسول ام المومنین ام سلمہ امام حسینؑ کے پاس آتی ہیں اور فرماتی ہیں: "اے میرے بیٹے! تو عراق کے سفر پر روانہ ہو کر مجھے محزون نہ کر کیونکہ میں نے تیرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے انھوں نے فرمایا: "میرا فرزند حسینؑ عراق کے مقام جس کا نام کربلا ہے پر مارا جائے گا"۔ پس امامؑ نے فرمایا: "مادر گرامی! خدا کی قسم میں ان حالات و واقعات کی سچائی سے آگاہ ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں گا"۔ (بحار الانوار، جلد ۱۰، ص ۱۷۵)

② عبداللہ بن زبیر نے بھی امامؑ کو عراق کا سفر اختیار کرنے سے باز رہنے کی درخواست کی تھی لیکن امامؑ نے صریحاً اپنے جواب میں فرما دیا تھا: "اے ابن زبیر! میں فرات کے کنارے مار دیا جاؤں اور دفن ہو جاؤں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے کعبۃ اللہ کے سائے میں ماردیں"۔

③ جس وقت امامؑ مکہ میں وارد ہوئے تو عبداللہ بن عمران کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کو یزید سے صلح اور اس کی بیعت کرنے کا اس طرح مشورہ دیا: "(حسینؑ) میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کی طرح یزید سے صلح

اور بیعت کرنے کی راہ اختیار کریں اور مسلمانوں کا خون بہانے سے ڈریں (باز رہیں)"۔

امامؑ نے اس درخواست کے جواب میں عبداللہ بن عمر سے فرمایا: "اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تو نہیں جانتا کہ یہ دنیا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہے کہ یحییٰ بن زکریاؑ کا سر بنی اسرائیل کے ایک ناپاک و زناکار شخص کے لیے بطور ہدیہ و انعام بھیجا گیا۔

اے عبداللہ! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ بنی اسرائیل ہر روز طلوع صبح ستر انبیاءؑ کا قتل کرتی تھی اور پھر اپنے کسب و کام میں اس طرح مصروف ہو جاتی تھی گویا کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کیا ہو۔ پس خدا نے ایک مدت تک انھیں مہلت دی مگر پھر ان پر عذاب نازل فرما دیا۔

اے ابن عمر! خدا سے ڈرو اور ہماری نصرت و مدد کے لیے اپنا ہاتھ دراز کرو"۔

عبداللہ بن عمر نے جب اپنی درخواست سے کوئی نتیجہ نہ پایا تو کہا: "اے ابا عبداللہ! میں آپ کے بدن کے اس حصے کا بوسہ لینا چاہتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ بار بار بوسہ دیتے تھے۔ پس امامؑ نے اپنی قمیص بلند کی اور عبداللہ بن عمر نے انھیں تین بار سینے پر بوسہ دیا۔ وہ اس حالت میں گریہ کناں تھے اور کہتے جاتے تھے: استودعك يا اباعبدالله "اے ابوعبداللہ تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں اور خدا حافظ کہتا ہوں کیونکہ تو اس سفر میں قتل کیا جائے گا"۔

◈ امامؑ کے وہ خط جو انہوں نے مکہ سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ اور بنی ہاشم کے دیگر بزرگ افراد کو لکھے، امام کی اپنی شہادت سے آگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط حسینؑ ابن علیؑ کی جانب سے محمدؐ بن علیؑ اور بنو ہاشم کے دیگر افراد کے لیے ہے جو محمد بن حنفیہ کے نزدیک ہیں، پس تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ چلا رہا وہ شہادت کی کامیابیوں تک پہنچ

گا اور تم میں سے جس کسی نے میرے ساتھ یہ بدسلوکی اختیار کرنے میں خودداری برتی تو وہ ہرگز کامیابی اور کامرانی کو نہ پائے گا"۔ والسلام

◈ امام حسینؑ کا مکہ میں وہ خطبہ جو انھوں نے خاندان بنی ہاشم اور شیعوں کی درخواست کے جواب میں دیا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امام کو اپنی شہادت کا علم تھا۔ آپؑ اپنے معروف خطبے میں فرماتے ہیں:

"موت اس طرح سے انسانوں کے لیے لازم کی گئی ہے جس طرح گلوبند (جوان) عورتوں کی گردن کا لازمہ ہوتا ہے۔ میں تو اپنے بزرگوں سے ملاقات کرنے کا اس قدر مشتاق ہوں جیسے کہ یعقوبؑ دیدار یوسفؑ کے مشتاق تھے۔ میرے لیے ایک قتل گاہ معین کی جا چکی ہے کہ جہاں مجھے پہنچنا ہوگا۔ میں اپنی آنکھوں سے (وہ منظر) دیکھ رہا ہوں کہ اس بیابان کے درندے (کوفہ کے لشکری) میرے جسم کے کٹوے کٹوے کر کے اپنے بھوکے شکموں کو بھر رہے ہیں۔ جو کچھ قضا و قدر میں لکھا ہے اس سے نکلنے اور فرار کا کوئی چارہ نہیں۔ جس میں خدا راضی ہے ہم بھی (اس کی رضا میں) راضی اور خوشنود ہیں"۔

نیز اس خطبے میں امام اپنی شہادت سے متعلق اپنے علم کی خبر دینے کے علاوہ اس کی جزئیات سے بھی لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں۔ یہ وہ تمام شواہد ہیں کہ جن کی رو سے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ امامؑ اپنی اور اپنے اصحاب و انصار کی شہادت کے متعلق آگاہی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علیؑ کی اس واقعے کے بارے میں پیشگوئیاں بھی امام کے پیش نظر ہوں گی۔

ڈاکٹر آیتی نے اپنی کتاب تاریخ طبری میں لکھا ہے: "امامؑ نے قیام اس لیے کیا

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قتل کر دیئے جائیں گے، ان کی خواتین اور بچے اسیر کیا جائے گا"۔

ایک اور جگہ درج ہے: "وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ امامؑ اپنے عمل اور مقصد سے آگاہ نہ تھے ایک خاص اشتباہ کا شکار ہیں، کیونکہ وہ ان روایات سے صحیح نظر کرتے ہیں جن میں وارد ہو چکا ہے کہ لو ای امام لایعلم ما یصیبہ و انہا یعید فلیس ذٰلک بحجۃ "ہر وہ امامؑ جو یہ نہیں جانتا کہ اس کیلئے فریضہ ہے اور اس کے فقدان عمل کا کیا نتیجہ نکلے گا وہ ہرگز خدا کی حجت نہیں کہلائے گا"۔ (بررسی تاریخ عاشورہ ص ۲۷)

انہم یعلمون متی یموتون و کان با اختیارہ بہ صنہم

"کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کون کہاں اس جہان میں بروئے کار ہوگا اور وہ اس پر اختیار بھی رکھتے ہیں"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اساسی طور پر یہ خبر خاندان بنی ہاشم اور خاص طور پر امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے گھر میں مشہور تھی اور اسی وجہ سے جناب ام سلمہ اور جناب ام ایمن و دیگر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی تھیں کہ حسینؑ کربلا میں مارے جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ مکہ سے کوچ سے ایک یوم قبل حرم کعبہ میں ان کا یہ کہنا: خط الموت علی ولد آدم، اس بات کی دلیل ہے آپ بخوبی جانتے تھے کہ قتل کیے جائیں گے۔ اسی طرح بہت سے دیگر مواقع پر امامؑ کے فرمودات اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ امامؑ پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں تھی کہ وہ شہادت پائیں گے۔ ان صریح باتوں کا انکار سوائے اپنی کم علمی یا پھر عناد کے اور کچھ نہ ہوگا۔ (بررسی تاریخ عاشورہ ص ۳۰)

امام خمینی فرماتے ہیں: "روز عاشور جو کوئی امامؑ کی نصرت پر شہادت کے لیے نزدیک تر ہوتا جاتا، تاکہ اذن شہادت کے لیے رابطہ کر سکے، اس کے چہرے کی چمک بڑھتی جاتی، جبکہ وہ سب جانتے تھے کہ کچھ دیر بعد وہ شہید کر دیئے جائیں گے"۔

۲۷

امام حسینؑ نے اپنے قتل کے علم کے باوجود کیوں قیام کیا؟

چونکہ اس زمانے کے حالات و واقعات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ اگر امامؑ اس طرح سے عملی اقدام نہ کرتے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیس سالہ محنت رائیگاں جاتی اور تمام تر اسلامی آثار تباہ ہو جاتے اور قرآن و اسلام کا کوئی اثر باقی نہ رہتا۔ لہٰذا امامؑ اس مختصر بخش معاملہ کے حصول کے لیے اس صورت حال اور شرائط کو مناسب سمجھتے تھے کیونکہ امام کا اس طریقہ کار کو اپناتے ہوئے بہترین فائدہ یہی تھا کہ اُمویوں اور یزیدیوں کے چنگل سے اسلام، قرآن اور سنت رسولؐ خدا کو نجات دلائی جا سکے۔

علاوہ ازیں (چونکہ) جہاد، اسلام کے اہم ترین ابواب میں سے ایک ہے اور شہادت ہر مسلمان کے لیے باعث افتخار ہے۔ قرآن مجید میں آیات، جہاد اور شہادت کے ضمن میں بیان ہوئی ہیں اور ان آیات میں سے کوئی ایک بھی علم اور کامیابی کے مسائل سے مشروط نہیں کی گئی۔ بلکہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں ڈٹ جانے اور جان کی بازی لگا کر شہادت کے ذریعے کامیابی پانا، مومنوں کی علامات میں ایک بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ
اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ
بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۂ توبہ، آیت ۱۱۱)

"خدا نے جنت کے بدلے، مومنوں کی جان و مال کو خریدا ہے وہ جو راہِ خدا میں نبرد آزما ہوتے ہیں اور اس راہ میں مارتے ہیں اور مر جاتے ہیں تو یہ وعدہ برحق ہے ان سے تورات، انجیل، قرآن میں، اور کون ہے جو خدا سے کیے وعدے پر زیادہ وفادار ہے؟ پس تم نے اللہ کے ساتھ جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔"

سیرت و تاریخ حیاتِ رسول ﷺ بھی اس پر گواہ ہے کہ کافروں اور مشرکوں سے خدا کی راہ میں جہاد ایک اہم ترین وظیفہ ہے۔ اگر اس فرض کو امام ہی انجام نہ دے تو پھر کون شخص اس کو انجام دے؟ پیغمبر اکرمؐ نے کئی جنگوں میں سو فیصد غیر کفو اور قوی ترین دشمن سے بھی مقابلہ کیا اور کبھی تو اپنے خاندان کے عزیز ترین افراد کو ان جنگوں میں بھیجا۔ (قرائن امام حسینؑ مدینہ تا کربلا، ص ۶۶-۶۷)

خداوند کریم نے سورہ احزاب میں ان افراد کی مذمت کی ہے جو موت کے ڈر سے جنگ (جہاد) سے فرار چاہتے ہیں۔ فرمایا:

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ
وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ○ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○

"حالانکہ یہ لوگ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے ساتھ ہونے والے عہد کے بارے میں باز پرس

ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ موت یا قتل سے فرار چاہتے ہو تو یہ
فرار تمہیں فائدہ نہ دے گا اور (زندگی) کی لذت کم ہی حاصل کر
سکو گے"۔ (سورۂ احزاب، آیت ۱۵-۱۶)

اس بنا پر کہ انسان اسلام سے جنگ ہمیشہ کامیابی و کامرانی پر منتج نہیں ہوتی بلکہ کبھی یہ اپنے ساتھ شکست، قتل ہونا یا قید بھی لاتی ہے جس کی بہترین مثال رسولؐ اللہ کے دور میں جنگ اُحد ہے۔

□□□

۲۸

امام حسینؑ اپنے ہمراہ کربلا میں خاندان کو کیوں لائے؟

جس وقت زوجہ رسولؐ جناب اُم سلمہؑ کو یہ اطلاع ملی کہ امام حسین علیہ السلام سفر پر جانے لگے ہیں تو آپ امامؑ کے پاس تشریف لائیں اور فرمایا: اے بیٹے! تُو عراق کی جانب اپنے سفر سے مجھے غمگین و ملسردہ حال نہ کر۔۔۔۔"

امامؑ نے جواب دیا:

یَا اُمَّاہُ وَ اَنَا اَعلَمُ اَنِّی ،مَقتُولٌ مَذبُوحٌ ظُلمًا وَ عُدوَانًا وَقَد شَاءَ عَزَّوَجَلَّ اَن یَرَیٰ حَرَمِی وَرَھطِی مُشَرِّدِینَ وَاَطفَالِی مَذبُوحِینَ مَاسُورِینَ مُقَیَّدِینَ وَھُم یَستَغِیثُونَ فَلَا یَجِدُونَ نَاصِرًا۔

"اے مادر گرامی! میں یہ بہتر طور پر جانتا ہوں کہ میں کس ظلم و ستم سے قتل کر دیا جاؤں گا اور میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ خداوند کریم نے میرے لیے ایسا ہی سزاوار کیا ہے کہ میرے فرزند قتل کر دیئے جائیں اور میرے حرم اور اہل بیتؑ کو قیدی بنا کر زنجیروں میں جکڑ لیا جائے اور ان کی صدائے استغاثہ غیر امداد و مددگار واپس لوٹ آئے"۔

اور کچھ اسی طرح کا جواب اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو دیا:

أَتَانِي رَسُولُ اللهِ وَقَالَ يَا حُسَيْنُ اُخْرُجْ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى شَاءَ أَنْ يَرَاكَ قَتِيلًا وَأَنْ يَرَى مَعَكَ سَبَايَا

رسول اللہ ﷺ میرے خواب میں آئے اور فرمایا:

"حسین تحریک کرو کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تم قتل ہو اور میرے اہل بیت اسیر ہوں"۔ (حماسہ حسینی جلد ۳، ص ۳۴)

پس ان وجوہات کی بنا پر یہ ماننا درست ہے کہ امامؑ اپنے اہل بیتؑ کی اسیری کے بارے میں پہلے ہی سے آگاہ تھے۔ وہ اپنے ان اسیروں کی اسیری کے ذریعے چند مقاصد کو پانا چاہتے تھے:

① امام حسینؑ یہ جانتے تھے کہ ان کے مختصر اصحاب یزیدی فوج سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں گے تو اس مختصر فوج کی شہادت کی خبر عام لوگوں کو نہ ہو سکے گی اس لیے چند ایسے راویان کی ضرورت ہوگی جو صدائے حق بلند کر کے اس حقیقت کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔ بعد میں ثابت ہوا کہ امام کے اہل بیتؑ، خواتین اور اطفال اس قیام کربلا کی مکمل تصویر کو بیان کر سکتے تھے۔

② امامؑ کی جہادی تحریکوں میں سے ایک یہ تھی کہ اپنی اہل بیتؑ اور اطفال کو اپنے ہمراہ کربلا لے گئے اور ان کے وسیلے سے اپنے دشمنوں کے مظالم کو دنیا پر عیاں کر دیا۔ (ایضاً)

امام حسینؑ کا مطمح نظر یہ نہیں تھا کہ وہ خود کو اپنے دوستوں اور بیٹوں کو قتل کرا دیں بلکہ ان کی نظر ایسے قیام پر تھی جو لوگوں کو اس جانب متوجہ کرے کہ بنو امیہ ایک فساد ہے اور اس کی حکومت غیر اسلامی حکومت ہے اور یہ اسلام کی نابودی کے درپے ہے۔

انھوں نے تاریخ کے قارئین پر واضح کر دیا کہ ان کے مقابل میں سے ہر شخص اس لیے کربلا آیا تھا کہ خاندان بنی ہاشم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے اور ہوا بھی

یہی تھا کہ انھوں نے شیر خواروں کو بھی اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور خاندانِ نبیؐ کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ جو ترک و دیلمیوں نے قیدی مشرکین سے بھی روا نہ رکھا۔

□□□

۲۸

کن گیارہ افراد نے امام کی تحریک کی مخالفت کی اور انھیں بیعت کرنے یا محفوظ مقام پر جانے کی تجاویز دیں؟

امام کو مدینہ روانگی سے لے کر کربلا وارد ہونے تک مختلف افراد کے وسیلے سے درخواستیں جاری رہیں جن میں امام کو قیام نہ کرنے، یزید کی بیعت کر لینے یا کہیں دور دراز علاقوں میں جا بسنے کا کہا گیا۔ ان افراد میں مختلف قبائل کے افراد، اہل خاندان سے لے کر معمولی افراد حتیٰ کہ امام کے دشمن بھی شامل تھے۔ امام کے دوستوں اور دردمندوں کی مخالفت اس دل سوزی کے زیر اثر تھی جو وہ اسلام اور امام کی جان کی حفاظت کے تحت محسوس کرتے تھے جبکہ دشمنوں کی مخالفت کا سبب یزید کی خدمت گزاری اور امام کے ہر عمل کی ضد پر منحصر تھی۔

درحقیقت اس طرح کے تمام افراد (مخالف) اس واقعہ اور امام کی تحریک سے ناواقف تھے اسی لیے وہ مخالفت کے مرتکب ٹھہرے۔ اگر امام اپنے خیر خواہوں کی درخواستوں کی پذیرائی فرماتے تو جب بھی یہ گروہ مخالفین اس امر سے اپنے دل کی مراد پا لیتے اور نتیجہ یہ نکلتا کہ امام کے خیر خواہوں کی تمام تدبیریں مخالفین کے لیے مفید ثابت ہوتیں۔ ایسے لوگوں کے مختصر احوال درج ذیل ہیں:

مروان بن حکم

امیر شام کی ہلاکت (۶۰ ہجری) کے بعد یزید نے خلافت کا تخت سنبھالا اور

بغیر کسی توقف کے اس نے اپنے گورنروں اور فرمانرواؤں کو مختلف ریاستوں پر مبنی خطوط ارسال کیے اور ان میں سے ہر کسی کو یہ اختیار دیا کہ وہ لوگوں سے اس کی خاطر بیعت لیں۔ ایسا ہی ایک خط اس نے والی مدینہ ولید کو بھیجا اور اسے کہا کہ وہ جلد از جلد تین معروف افراد یعنی حسینؑ بن علیؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت حاصل کرے۔

اسے جونہی خط ملا اس نے سابق گورنر مروان بن حکم سے مشورہ کیا اور پھر تینوں افراد کو گفتگو کے لیے مدعو کیا۔ اس رات انھوں نے امامؑ کو امیر شام کی موت سے آگاہ کیا اور بعد میں یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ امامؑ ہرگز بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا: "مازداری میں کی گئی بیعت کی کوئی وقعت نہیں ہوتی"۔

ولید نے امام حسین علیہ السلام کے اس نکتے کو تسلیم کیا اور اس رات بیعت پر مصر نہ ہوا۔ البتہ مروان نے اشارے سے یہ بات ولید کو باور کرائی کہ اگر آج رات تو حسینؑ سے بیعت نہ لے سکا تو پھر کبھی بھی اسے بیعت پر مجبور نہ کر سکے گا حتیٰ کہ زمین پر کثیر خونریزی بھی ہو جائے۔ اس لیے کہا ہی بہتر ہو کہ اسی محفل میں اسے بیعت پر مجبور کر دو یا پھر یزید کے حکم کے مطابق اس کی گردن اڑا دو۔ امامؑ نے جب اس عمل کا مشاہدہ کیا تو مروان بن حکم سے مخاطب ہوئے:

يَابْنَ زَرْقَاءَ أَنْتَ تَقْتُلُنِي أَمْ هُوَ كَذِبَتْ وَاثِمَتْ

"اے ابن زرقا! تو مجھے مارتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور گناہ کرتا ہے"۔ ①

مروان بن حکم جو خاندان نبوت کا دیرینہ دشمن تھا اور امیر شام کا سابق گورنر اور امویوں کا خدمت گزار تھا، امامؑ سے مخاطب ہوا: "اے ابو عبداللہ! میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ یزید کی بیعت کر لیجیے کہ یہ امر آپ کے لیے دین

---

① زرقاء مروان کی دادی اور بدنام زمانہ فاحشہ عورت تھی۔

ودنیا میں مفید ہے"۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

وَعَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا بُلِيَتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيدَ

"اس وقت اسلام کی فاتحہ پڑھ لینا چاہیے جب مسلمانوں کا حاکم یزید جیسا شخص ہو"۔(سلطان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۱۸ اور کامل ابن اثیر جلد ۴، ص ۱۴)

اُم المومنین ام سلمہؓ

جس وقت زوجہ رسول جناب ام سلمہ نے امامؑ کے سفر پر جانے کی خبر سنی تو وہ تشریف فرما ہوئیں اور امامؑ سے کہا: "اے حسینؑ! اپنے اس سفر عراق سے تو مجھے غمزدہ و پریشان نہ کر کیونکہ میں نے آپ کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا کہ انھوں نے فرمایا: میرا فرزند حسینؑ عراق کی سرزمین کہ جس کا نام کربلا ہوگا قتل کیا جائے گا"۔

امامؑ نے جواب دیا: "اے ماں! میں یہ جانتا ہوں کہ راہ خدا میں دشمنان اسلام کی عداوت اور کینہ مجھے قتل کروا دے گا (لیکن) خدا کی رضا یہی ہے کہ میرے اہل بیتؑ اسیر ہوں اور میرے فرزند شہید ہو جائیں"۔(سلطان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۳۹)

عمر اطرف

حضرت علیؑ کے فرزندان میں سے ایک جو عمر اطرف کے نام سے معروف ہیں وہ اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا "اے بھائی! مجھے اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ نے والد محترم امیر المومنینؑ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا اس لیے مجھے گلہ ہے کہ یزید بن معاویہ سے آپ کی

خلافت آپ کے قتل کا باعث نہ بن جائے اور یہ خبر سچ نہ ہو جائے لیکن اگر آپ یزید کی بیعت کر لیں تو یہ خطرہ برطرف ہو جائے گا اور آپ قتل ہو جانے سے محفوظ ہو جائیں گے"۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا: "والد محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے اور میرے قتل کی خبر نقل کی اور فرمایا: میری اور ان کی قبر نزدیک ہوں گی ـــــ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی کہ میں ہرگز اس ذلت (بیعت) کے بوجھ کو نہ اٹھاؤں گا"۔

محمد بن حنفیہ

محمد حنفیہ بھی امیر المومنینؑ کے فرزندان میں سے ہیں۔ مؤرخین کی روایت کے مطابق وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس طرح سے عرض کیا: "اے بھائی! آپ محبوب ترین اور عزیز ترین شخص ہیں اور چونکہ میں اس میں خیریت اور بھلائی دیکھتا ہوں اور میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ جب آپ شہر مکہ جائیں اور اگر دیکھیں کہ وہاں سکون اور اطمینان میسر نہیں تو آپ دشت و بیابانوں کے راستے ایک شہر سے دوسرے شہر جائیں تاکہ وہاں کے لوگوں کا رویہ اور آئندہ کے لائحہ عمل کو ترتیب دے سکیں"۔

امامؑ نے فرمایا: "اے بھائی! اگر دنیا میں میرے لیے کوئی ٹھکانہ اور پناہ گاہ باقی نہ رہے تو میں پھر بھی ہرگز یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا"۔

پھر محمد بن حنفیہ امام حسینؑ کے پیچھے مکہ آئے اور خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "اے بھائی! آپ نے اپنے والد علیؑ اور بھائی حسنؑ سے برتے گئے اہل کوفہ کے سلوک (بے وفائی) کا مشاہدہ کیا ہے (لہٰذا) میں اس بات سے خوف زدہ ہوں کہ یہ لوگ آپ سے بھی عہد شکنی کریں گے۔ ان حالات میں بہتر ہے کہ آپ عراق کا سفر نہ کریں اور مکہ میں ہی ٹھہر جائیں۔ کیونکہ اس شہر مکہ میں اور حرم خدا میں آپ ہر ایک شخص سے زیادہ

محترم اور عزیز ترشخصیت ہیں"۔

جواباً امامؑ نے فرمایا: "مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ یزید اپنے حیلہ کر کے مجھے اس بیت اللہ میں قتل کرا دے گا اور خانہ خدا کے تقدس کو پامال کر دیا جائے گا"۔

محمد بن حنفیہ نے پھر یہ درخواست کی کہ "اس صورت حال میں پھر یہ بہتر ہے کہ آپ عراق کے بجائے یمن یا کسی اور خطہ امن کی جانب سفر کریں"۔

امامؑ نے فرمایا: "میں آپ کی اس بات پر غور کرتا ہوں"۔

امام حسینؑ نے اس رات کی صبح ہوتے ہی عراق کی جانب سفر اختیار کر لیا۔ امام حسینؑ کے اس سفر کی خبر محمد بن حنفیہ کو ملی تو بہت عجلت میں خود کو امامؑ تک پہنچایا اور عرض کیا: "کیا آپ نے کل رات مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ میری بات اور درخواست پر غور کریں گے؟"

امامؑ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

بَلٰی وَلٰکِن بَعدَ مَا فارَقتُکَ اَتَانِی رَسُولُ اللہ قَالَ یَاحُسَینُ اُخرُج فَاِنَّ اللہَ تَعَالٰی شَاءَ اَن یَرَاکَ قَتِیلًا ... وَقَد شَاءَ اللہُ اَن یَرَاھُنَّ سَبَایَا

"ہاں لیکن اس کے بعد جب ہم جدا ہوئے تو رات خواب میں نانا رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا حسین آگے بڑھو کہ خدا اس بات پر راضی ہے کہ تو مارا جائے اور تیرے اہل بیتؑ اسیر ہو جائیں"۔ (خطبات حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۳۲)

عبداللہ بن عمر

عبداللہ بن عمر جو کہ عمرے کی انجام دہی کی خاطر مکہ میں مقیم تھے امامؑ کے پاس آئے اور گویا ہوئے: "میری آپ سے درخواست ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح

آپ بھی بیعت اور صلح کی روش اختیار کیجیے اور مسلمانوں کی خونریزی سے ڈریئے"۔ امامؑ نے ان کے جواب میں پیغمبروں کے سلسلے میں بنی اسرائیل کے روا رکھے گئے گناہوں کا ذکر کیا اور فرمایا: "اے ابو عبدالرحمٰن! خدا سے ڈر اور اپنا ہاتھ ہماری نصرت اور مدد کے لیے آگے بڑھا"۔

وضاحت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر ان سات افراد میں شامل تھے جنھوں نے امیر المومنین علیؑ کی بیعت نہ کی تھی اور ہر ممکن امیرؑ کی مخالفت اور محاذ آرائی کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے امیرؑ کی شہادت کے بعد امیر شام کی بیعت کر ڈالی اور اس کی حکومت کو جائز قرار دیا۔ پھر امیر شام کی موت کے بعد یزید کی بیعت کی اور اسے خلافت کا حقدار قرار دیا۔ پھر جب یزید بھی مر گیا تو مروان بن حکم کی جانب سے حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لیے متعین ہوا تو عبداللہ بن عمر نے مروان بن حکم کی بیعت کر لی۔ (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۴۳-۵۱)

عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ بن عباسؓ امامؑ کے چچا زاد تھے اور وہ بھی ان افراد کی فہرست میں تھے کہ جنھوں نے ان کو عراق جانے سے منع کیا۔ وہ مکہ آئے اور امامؑ سے درخواست کی:

"اے میرے چچا زاد بھائی! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ آپؑ نے جو یہ سفر اختیار کیا ہے اس راہ پر آپ کو قتل کر دیا جائے اور آپ کی اولاد قیدی بنائی جائے اور جیسا کہ یہ اہل عراق عہد شکنی کے لیے مشہور ہیں تو ضروری ہے کہ ان پر نگہ نہ کیا جائے۔ میرے خیال میں آپ کے لیے مکہ میں رہنا بہتر ہے۔ یا بہتر سمجھیں تو آپ کو یمن کی جانب سفر اختیار کرنا چاہیے"۔

امامؑ نے عبداللہ بن عباس کو جواب دیا:

يَابْنَ الْعَمِّ اَنِّي وَاللهِ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ نَاصِحٌ مُشْفِقٌ وَقَدْ اَذِ

مَصَتْ عَلَى السَّوْرِ وَاللّٰهِ لَا يَدَعُونِي حَتّٰى يَسْتَخْرِجُوا هٰذِهِ الْعَلَقَةَ مِنْ فَمِي فَإِذَا خَرَجَتْ فَعَلُوا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَنْ يُزِلُّهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا أَذَلَّ مِنْ قَرَامِلِ الْمَغْزَلِ۔

"اے چچا زاد بھائی! خدا کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ تو یہ درخواست فرط شفقت، مہربانی اور میری خیر خواہی میں کر رہا ہے لیکن میں ارادہ کر چکا ہوں کہ عراق کی جانب سفر اختیار کروں۔ قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ وہ لوگ اس وقت تک میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک میرا خون نہ بہا دیں اور جب وہ ایسا بڑا گناہ کر چکیں گے تو خداوند کریم ان پر کسی ایسے (حاکم) کو مسلط کرے گا جو انھیں ایسی ذلت و بربادی سے دوچار کرے گا کہ وہ عورتوں کے پھٹے پرانے کپڑے سے بھی زیادہ ذلیل اور پست تر شمار ہوں گے"۔ (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۸۱، کامل ابن اثیر، جلد ۴، ص ۳۷)

عبداللہ ابن زبیر

عبداللہ بن زبیر کہ جو خود بھی یزید کی حکومت کے مخالفین میں سے تھے، نے بھی امامؑ کو سفر عراق سے روکا تھا۔ وہ امامؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: "اگر میں بھی عراق میں آپ کے شیعوں کی طرح اپنے لیے شیعہ پاتا تو اس مقام کو ہر لحاظ سے ترجیح دیتا۔ اس موجودہ صورت حال میں اگر ہم مکہ میں اقامت اختیار کریں اور مسلمانوں سے امامت کے ذریعے عہد حاصل کریں تو میں آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں"۔

امام حسینؑ نے جواب میں فرمایا: "میرے والد محترم نے مجھے یہ خبر دی کہ

(توپی) گڑھے کے وجود کے سبب شہر مکہ کا احترام پامال ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ گڑھا (توپ) اور سینگوں والا مینڈھا میں کہلاؤں لیکن اگر مکہ سے بالشت دور بھی قتل کیا جاؤں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ (مکہ کے) اندر قتل ہو جاؤں۔ اے ابن زبیر! اگر فرات کے کنارے دفن کیا جاؤں تو یہ مجھے بہت زیادہ عزیز ہوگا بہ نسبت اس کے کہ میں کعبہ کے سائے میں دفن ہوں....."۔

امام حسینؑ کی شہادت کے تین سال بعد یزید نے مدینہ اور اہل مدینہ کی قتل و غارت کے بعد اپنے سپاہیوں کو عبداللہ بن زبیر (جو کہ یزید کی بیعت سے باغی تھے) کی سرکوبی کے لیے مکہ بھیجا اور اس شہر مکہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ ابن زبیر نے جان کی حفاظت کے لیے خود کو بیت اللہ میں محصور کر لیا۔ لیکن یزیدی سپاہیوں نے کہ جن کا مقصد ابن زبیر کی موت تھی نے اپنا گھیراؤ اس قدر تنگ کر دیا کہ کہ خانہ خدا پر منجنیقوں سے سنگ باری کر دی اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کو نقصان پہنچایا۔ اس اثنا میں یزید کی موت کی خبر مکہ میں پہنچی جس کے نتیجے میں اس کے لشکری پراگندہ ہو گئے اور ابن زبیر نے از سر نو کعبہ کی تعمیر شروع کر دی۔ یزید کی موت کے بعد اہل مکہ کے ایک گروہ نے ابن زبیر کی بیعت کی۔

۷۳ ہجری تک حجاج بن یوسف عبدالملک بن مروان کی خلافت کے دوران ابن زبیر کی سرکوبی پر مامور رہا۔ اس دوران چند ہزار افراد نے شہر مکہ کو ایک بار پھر اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ ابن زبیر نے ایک بار پھر خانہ خدا میں پناہ لی۔ حجاج نے مکہ کو ہر طرف سے منجنیقوں کی مدد سے گھیر لیا اور مسجد الحرام کے داخلی علاقہ کو سنگ باری کا نشانہ بنایا۔ ابن زبیر اس جنگ میں مارے گئے اور حجاج بن یوسف نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۷۳-۷۹)

ابن زبیر کے والد نے امیر المومنین کی حکومت کے دوران ان کی مخالفت کی تھی

اور ایک لاعلم گروہ کو بصرہ میں اپنے گرد جمع کیا اور علوی حکومت کو گرانے کے لیے قصاص عثمان کا تقاضا کیا۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد ابن زبیر نے نہ صرف امام زین العابدینؑ کی بیعت نہ کی بلکہ اپنی معاویہ پر کہ میں نماز جمعہ کا انعقاد کر دیا۔

عبداللہ بن جعفر

امامؑ کو سفر عراق سے باز رکھنے والوں میں ایک درخواست گار عبداللہ بن جعفر بھی تھے کہ جو جناب زینبؑ کے شوہر اور امامؑ کے چچا زاد بھی تھے۔ امامؑ کے سفر پر جانے کے بعد انھوں نے ایک خط مع اپنے دو بیٹوں عون و محمد کے ذریعے ارسال کیا جس میں اس طرح درخواست کی گئی تھی:

> "آپؑ نے جو سفر اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے اس سے باز رہیں اور مکہ میں ٹھہرے رہیں کیونکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ آپؑ اس سفر میں قتل کر دیے جائیں گے اور آپؑ کی اولادیں اسیر کر لی جائیں گی۔ آپؑ کے قتل ہو جانے سے نور اسلام گل ہو جائے گا"۔

عبداللہ بن جعفرؑ نے خط ارسال کرنے کے بعد عمرو بن سعید سے جو کہ یزید کی جانب سے مدینہ کا نیا گورنر مقرر ہوا تھا، سے ملاقات کی اور اس سے ایک امان نامہ امام حسینؑ کے لیے حاصل کیا۔ عبداللہ نے یحییٰ بن سعید کی سرائی میں یہ امان نامہ مکہ کے لیے باہر امام حسینؑ کو پیش کیا۔ تاہم امامؑ نے ان دونوں کو یہ جواب دیا: "میں نے رسولؐ اللہ کو خواب میں دیکھا ہے اور انھوں نے مجھے اس مہم پر مامور فرمایا ہے۔ ضروری ہے کہ میں اس کے لیے مصر رہوں ــــ میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور جب تک کہ زندہ رہوں میں کسی سے بھی بیان نہ کروں گا ــــ امانوں میں سے بہترین امان خدا کی ہے اور جو کوئی بھی کہ دنیا معاملات میں خدا سے خوف نہیں رکھتا تو وہ آخرت میں بھی اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا"۔ (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ کربلا، ص ۹۳-۹۴)

فرزدق

عرب کے مشہور شاعروں میں فرزدق ان افراد میں شامل ہے کہ جو امامؑ کو عراق جانے سے روک رہے تھے۔ فرزدق اپنی والدہ کے ہمراہ عازم حج تھے۔ مکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے ان کا سامنا امامؑ سے ہوا تو فوراً امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور امامؑ کا مکہ سے عزم کا سبب دریافت کیا۔

امامؑ نے صرف اتنا فرمایا: "اگر میں مکہ سے عزم کرنے میں جلدی نہ کرتا تو (وہ) مجھے گرفتار کر لیتے"۔

اس کے بعد امامؑ نے اس سے اہل عراق سے متعلق پوچھا۔ فرزدق نے جواب دیا: "اہل عراق کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں آپ کے اوپر کھنچی ہوئی ہیں اور مقدر تو خدا کے ہاتھ میں ہے کہ جس طرح چاہے گا انجام دے گا"۔

امام نے جواباً فرمایا: "فرزدق تو نے درست کہا کہ طاقت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر روز ایک نیا حکم جاری کرتا ہے۔ اس لیے اگر معاملہ ہماری مراد کے مطابق ہو تو ہم شکر گزاری کرتے ہیں لیکن اگر معاملات ہماری خواہشات میں حائل اور صورت حال ہماری اُمیدوں کے برعکس ہو تو پھر بھی جس شخص کی نیت حق پر ہو اور دل پر تقویٰ کا راج ہو تو وہ راہ راست سے خارج نہیں کہلائے گا"۔

طرماح بن عدی

طرماح جو کوفہ سے سفر کر رہے تھے، راستے میں امامؑ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو امامؑ سے عرض کرنے لگے: "اے فرزند رسولؐ! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ واپس لوٹ جائیے کیونکہ میں اس لیے غیر مطمئن ہوں کہ کوئی ایک آدمی بھی اہل کوفہ میں سے آپ کی مدد اور نصرت کے لیے نہیں آئے گا۔ اگر صرف یہی

گروہ پیچھے سے دیکھ کر آرہا ہوں آپ سے جنگ کرے تو آپ کی شہادت یقینی ہے اور اس صورت حال میں دن بدن اور ہر لمحہ افراتفری اور جنگی کشمکش میں اضافہ ہو رہا ہے"۔

امام نے طرماح کے جواب میں فرمایا: "ہمارے اور اہل کوفہ کے درمیان ایک عہد طے کیا گیا ہے اور اس عہد و پیمان کے فراموش سے فرار ہمارے لیے ممکن نہیں یہاں تک کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے"۔

□□□

۲۰

کیا امام حسینؑ کا ہدف اپنی حکومت تشکیل کرنا تھا؟

مفکرین کی ایک جماعت معتقد ہے کہ امامؑ نے حکومت کی تشکیل کے لیے قیام فرمایا اور وہ ابتدا میں حالات کو اسلامی حکومت کی تشکیل کے لیے ہموار پاتے تھے۔ (شہید جاوید)۔ لیکن ہماری نظر میں امامؑ کے قیام کا حقیقی مقصد حکومت کی تشکیل نہیں تھا، کیونکہ:

اولاً: امامؑ اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد امیر المومنینؑ سے ملنے والی ان تمام پیشین گوئیوں سے واقف تھے کہ جن کی رو سے اب کوئی مقصد حاصل نہ ہونے والا تھا۔

دوم: امامؑ نے اپنے کسی قول سے حکومت تشکیل دینے کی اطلاع یا مرضی کا اظہار نہیں کیا۔

سوم: اس طرح کا نظریہ اس بات کا موجب بنتا ہے کہ امامؑ کے خالصتاً اللہ کی راہ میں کیے گئے قیام کو دنیاوی رنگ دیا جائے۔

چہارم: اگر امام نے (واقعتاً) اسی تشکیل حکومت کے واسطے کوفہ کا سفر کیا تو پھر وہ اپنے ساتھ بچے اور خواتین کو کیوں لے آئے اور انھوں نے امن کا شہر مکہ بھی چھوڑ دیا۔ اس صورت حال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر حکومت اسلامی کی تشکیل کا کوئی مقصد نہ تھا۔ ایک اور گروہ اس نظریہ کا اعتقاد رکھتا ہے کہ امام حسینؑ نے ابتدا میں شہادت کے لیے سفر کیا جیسا کہ ان کے اقوال میں تکرار کے ساتھ شہادت کا ذکر ملتا ہے اس لیے

حکومت کی تشکیل کا کوئی بھی خیال ان کے ذہن میں نہ تھا۔

قبرِ رسول اللہ ﷺ کے سرہانے

نصف کے مقتل میں لکھا ہے کہ عمار ملی نے یہ روایت بیان کی کہ جب امامؑ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو قبرِ رسول اکرمؐ پر حاضری دی اور قبر کو اپنی باہوں میں لے لیا اور شدید گریہ کناں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں آپ کے مزار سے اس اطمینانِ قلب سے نکلا ہوں (حال آں کہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہوئی) کیونکہ میں یزید جیسے شرابی اور فاجر کی بیعت کرنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہوں۔ اگر میں بیعت کروں تو کافر ہو جاؤں اور اگر انکار کروں تو قتل کیا جاؤں اور یہی وہ زبردستی ہے کہ جس کے باعث میں آپؐ کے مزار سے جدا ہو رہا ہوں۔ پس میرا سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسولؐ"۔

پھر ان پر نیند غالب آ گئی اور خواب میں کچھ ایسا دیکھا کہ جس سے آپ پر بے چینی طاری ہو گئی۔ آپؑ نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ آپؑ کے قریب آئے، سلام کیا اور فرمایا:

> "اے میرے بیٹے! تیرے ماں باپ اور تیرا بھائی مجھ سے آن ملا ہے اور ہم سب اس دنیاوی دنیا سے دور صحنِ جنت اور تیری دید کے مشتاق ہیں۔ پس تو ہم سے ملنے کی جلدی کر۔ اے بیٹا جان لو کہ بہشت میں تیرا درجہ وہ ہے کہ جو نورِ الٰہی میں پوشیدہ ہے اور ماسوائے شہادت کے اس تک رسائی نہیں ملے گی اور تیرا ہم سے نزدیک ہونا کسی قدر دوار ہو چکا ہے"۔ (مقتل ابی مخنف، ص ۱۵)

آپؑ نے اتوار کی شب الحائیس رجب ۶۰ ہجری کو مدینہ سے خروج فرمایا۔

مکہ میں خطاب

جب امامؑ مکہ میں مقیم تھے تو ان پر آشکار ہوا کہ یزید کے حکم پر عمرو بن سعید بن عاص ان کے قتل کی مہم پر مامور ہو کر مکہ میں آ چکا ہے۔ اس لیے امامؑ نے کعبہ کی حرمت کے پیش نظر مکہ سے خروج کا مصمم ارادہ فرمایا۔ خروج سے قبل انھوں نے خاندان بنی ہاشم اور اپنے شیعیان کے سامنے ایک خطبہ بیان فرمایا:

> "موت اس طرح سے انسانوں کے لیے لازم کی گئی ہے جیسا کہ جوان عورتوں کی گردن کے لیے ہار لازم ہوتا ہے۔ میں تو اپنے بزرگوں سے ملاقات کرنے کا اس قدر مشتاق ہوں جیسے کہ یعقوبؑ دیدار یوسفؑ کے مشتاق تھے۔ میرے لیے ایک قتل گاہ معین کی جا چکی ہے کہ جہاں مجھے پہنچنا ہوگا۔ میں اپنی آنکھوں سے (وہ منظر) دیکھ رہا ہوں کہ اس بیابان کے درندے (کوفہ کے لشکری) میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے بھوکے شکموں کو بھر رہے ہیں۔ جو کچھ قضا و قدر میں لکھا ہے اس سے نکلنے اور فرار کا کوئی چارہ نہیں۔ جس میں خدا راضی ہے، تو ہم بھی (اس کی رضا میں) راضی اور خوشنود ہیں۔ ہر وہ شخص کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہماری راہ میں جانثاری پیش کرے اور خود کو قربان کرے تو وہ اپنے آپ کو موت کے لیے تیار کرتے ہوئے ہمارے ساتھ سفر اختیار کرے۔ میں صبح ہوتے ہی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا"۔

حدیث: ان اللہ شاء ان یراک قتیلاً

محمد بن حنفیہ نے بھی امامؑ کو روکنے کی کوشش کی اور عرض کیا: "اے بھائی! آپ

نے اپنے والد علیؑ اور بھائی حسنؑ سے برتے گئے اہل کوفہ کے سلوک (بے وفائی) کا مشاہدہ کیا ہے (لہٰذا) میں اس بات سے خوف زدہ ہوں کہ یہ لوگ آپ سے بھی عہد شکنی کریں گے۔ ان حالات میں بہتر ہے کہ آپ عراق کا سفر نہ کریں اور مکہ میں ہی ٹھہر جائیں۔ کیونکہ اس شہر مکہ میں اور حرم خدا میں آپ ہر ایک شخص سے زیادہ محترم اور عزیز تر شخصیت ہیں"۔

امامؑ نے اپنے بھائی کو جواب دیا: "مجھے ڈر ہے کہ یزید مجھے اس حرم میں قتل کروا ڈالے گا"۔

محمد بن حنفیہ نے پھر یہ درخواست کی کہ "اس صورت حال میں یہ بہتر ہے کہ آپ عراق کے بجائے یمن یا کسی اور خطہ امن کی جانب سفر کریں"۔

امامؑ نے فرمایا: "میں آپ کی اس بات پر غور کرتا ہوں"۔

امام حسینؑ نے اگلی صبح ہوتے ہی عراق کی جانب سفر اختیار کر لیا۔ امامؑ کے اس سفر کی خبر محمد بن حنفیہ کو ملی تو بہت عجلت میں خود کو امام تک پہنچایا اور عرض کیا: "کیا آپ نے کل رات مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ میری بات اور درخواست پر غور کریں گے؟"

امامؑ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

بلی ولکن بعد ما فارقتک اتانی رسول اللہ قال یا حسین اخرج فان اللہ تعالی شاء ان یراک قتیلاً ... وقد شاء اللہ ان یراھن

"ہاں! لیکن اس کے بعد جب ہم جدا ہوئے تو رات خواب میں نانا رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: حسینؑ آگے بڑھو کہ خدا اس بات پر راضی ہے کہ تو مارا جائے اور تیرے اہل بیتؑ اسیر ہو جائیں"۔ (لہوف، سید ابن طاؤس، ص ۵۳)

حدیث اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ

زوجہ رسول حضرت اُم سلمہؓ نے امامؑ کے سفر پر جانے کی خبر سنی تو وہ تشریف فرما ہوئیں اور امام سے کہا: "اے حسینؑ! اپنے اس سفر عراق سے تو مجھے فکر زدہ و پریشان نہ کر کیونکہ میں نے آپ کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا کہ انھوں نے فرمایا: میرا فرزند حسین عراق کی سرزمین کربلا جس کا نام کربلا ہوگا قتل کیا جائے گا"۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا: "اے اماں! میں یہ جانتا ہوں کہ راہ خدا میں دشمنان اسلام کی عداوت اور کینہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں ظلم و ستم کے ذریعے قتل کیا جاؤں گا اور میرا سر تن سے جدا کیا جائے گا (لیکن) خدا کی مرضی یہی ہے کہ میرے اہل بیت اسیر ہوں اور میرے فرزند شہید ہو جائیں اور ان کی صدائے استغاثہ بغیر کسی یاوری و مدد کے واپس لوٹ آئے"۔

پس ان روایات اور فرمودات کی بنیاد پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ امامؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احیا کے لیے اپنے قیام کا آغاز کیا۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی مطمئن تھے کہ اس راہ میں قتل کیے جائیں گے اور بظاہر کامیاب بھی نہ ہوں گے اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے بھی حالات سازگار نہ بنا سکیں گے۔ امامؑ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا اس طرح سے قتل ہو جانا اور شہادت پانا اسلام کے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہوگا بلکہ ان (امامؑ) کے تمام اعلیٰ اہداف کو کسی بھی صورت میں حاصل کرنے گا۔ اسی لیے امامؑ کی شہادت کے بعد لوگوں پر یہ بات آشکار ہوئی کہ کس طرح کے حاکم ان پر حکومت کرتے ہیں جو دنیا دار، شہوت پرست، جرائم کے دلدادہ اور ظالم ہیں۔ لوگوں کی یہ بیداری شہادت امامؑ کے بعد حکومت وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا سبب بنی۔ (بحار الانوار، جلد ۴۴، ص ۳۳۱)

۲۱

کیا امامؑ کا مکہ اور پھر کوفہ کا سفر متعین شدہ اساس پر مبنی تھا یا اسے بیعت سے گریز کے لیے اختیار کیا گیا؟

① مدینہ سے امام کا سفر دراصل تبلیغی نوعیت کی تحریک تھی جس کی اثر آفرینی کو امامؑ عالی مقام پہلے سے بھانپ چکے تھے۔ وہ اپنی اس ہجرت سے بنو امیہ اور یزید کو عوام میں بے نقاب کر کے رسوا کرنا چاہتے تھے۔ اس ہجرت کے پس پردہ بیعت سے گریز کا مقصد بھی پوشیدہ تھا۔

② مدینہ سے امامؑ کی روانگی خوف کے اثر سے نہ تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ عبداللہ بن زبیر کی طرح لوگوں کے پیچھے راستے اختیار کرتے مگر امامؑ عالی مقام نے عوامی شاہراہوں سے جانا پسند کیا اور مدینہ سے روانگی کے وقت فرمایا:

لا واللہ لا افارقہ حتی یقضی اللہ ما ھو قاض

"نہیں خدا کی قسم میں عوامی مقامات سے گزرنا ترک نہیں کروں گا جب تک کہ خدا اپنے مقصود کو حتمی سے پایہ تکمیل نہ کر دے"۔

③ امام حسینؑ اپنے شعور و تدبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر و تدبیر کا نچوڑ تھے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مشکل صورت حال میں کوئی عامیانہ اقدام اختیار کریں (یعنی بیعت سے گریز کر کے فرار اختیار کریں اور چور راستے منتخب کریں ـــ مترجم)

بلکہ امامؑ کی تمام پالیسیاں ایک بنیادی اور کلی اصول پر مبنی تھیں جو کہ پہلے سے معین شدہ، عاقلانہ اور عادلانہ تھی۔

◈ جب امامؑ کو والی مدینہ نے طلب کیا تو اسی وقت امامؑ نے فرمایا کہ یقیناً امیر شام کی موت کی خبر ہے۔ اس سے واضح ہے کہ امام حسینؑ کو تمام مسائل سے آگاہی تھی اور وہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال میں فکر و عمل کے لیے اپنی پالیسی تیار کر رہے تھے۔

□□□

امام حسینؑ کا مکہ کی طرف ہجرت کا ابتدائی فلسفہ کیا تھا؟

امامؑ تین شعبان ۶۰ ہجری کو مکہ میں وارد ہوئے اور چار ماہ اور پانچ دن کے بعد "ترویہ" کو انجام دینے کے بعد آٹھ ذوالحجہ کو مکہ سے تشریف لے گئے۔ امامؑ کا مکہ میں اس توقف کا فلسفہ ان چند امور پر مبنی ہو سکتا ہے مثلاً:

◇ (اس تمام) ہجرت کی روح تبلیغی نوعیت کی تھی اور امامؑ کی صدا کو بہتر طور پر پہنچانے کا ذریعہ تھی اور بذات خود اولین عمل مخالفت اور عملی بیزاری تھی۔

① مکہ میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے ملاقات کا موقع میسر ہو سکتا تھا۔

② مکہ کا انتخاب کرنا امان پانے کی علامت نہ تھا کیونکہ وہاں پر رہنے کا انجام بھی امامؑ کے لیے امان کا باعث نہ تھا۔ (حماسہ حسینی، جلد ۲، ص ۳۳۹)

اسی لیے امام حسینؑ کا ناگہانی طور پر مدینہ سے نکلنا اور حرم پاک میں پناہ لینا عوامی افکار کو اس جانب متوجہ کرتا تھا کہ یزیدی فوج نے حسینؑ بن علیؑ سے امن و امان کو سلب کر دیا تاہم وہ مجبوراً اپنے خانوادے کے ساتھ اپنے وطن سے نکلے اور مکہ میں پناہ گزیر ہوئے ہیں۔

③ امامؑ ایک عظیم مذہبی شخصیت تھے اس لیے ملت اسلامیہ اور شیعیان علیؑ کے مابین شدید ہیجانی صورت حال پیدا ہوئی اور وہ افراد کہ جو اسلامی ریاست کے اردگرد سے مکہ آ رہے تھے وہ جوق در جوق فرزند رسول اللہ کے گھر حاضر ہونے لگے۔

۱۲

امام حسینؑ نے بیابانوں (چور راستوں) سے سفر کرنے سے کیوں اجتناب کیا؟

جب ولید والی مدینہ نے امامؑ عالی مقام اور عبداللہ بن زبیر سے یزید کی بیعت کا تقاضا کیا تو عبداللہ بن زبیر نے راتوں رات مخفی طور پر مدینہ سے نکل کر بیابانوں سے ہوتے ہوئے مکہ کا رخ کیا۔ مگر امامؑ نے مہلت چاہی اور بروز اتوار (اٹھائیس رجب) اپنی آل و اولاد اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ مکہ کی جانب سفر اختیار کیا۔

آپ کے دوستوں میں سے کسی نے آپ سے درخواست کی کہ بہتر ہوگا کہ مثل عبداللہ بن زبیر کسی غیر گنجان راستے کا انتخاب کریں اور ان بیابانوں سے ہوتے ہوئے مکہ تشریف لے جائیں تاکہ اگر یزید کی جانب سے اس کے کارندے آپ کے تعاقب میں ہوں اور آپ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: لا واللہ لا افارقہ حتی یقضی اللہ مما علی فیہا "نہیں خدا کی قسم میں عوامی مقامات سے گزر ترک نہیں کروں گا جب تک کہ خدا اپنے مقصود کو حق سے پیوست نہ کر دے"۔

مدینہ سے روانگی کے وقت امامؑ وہ آیت مبارکہ دہرا رہے تھے کہ جو حضرت موسیٰ کی مصر سے روانگی اور فرعون سے جنگ پر آمادگی کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (سورۂ قصص، آیت ۲۱)

"موسیٰ شہر سے اس حالت میں نکلے کہ ان پر خوف طاری تھا اور ہر لحہ وہ ایک حادثہ کے انتظار میں عرض کرتے پروردگار! مجھے اس ظالم قوم سے رہائی بخش"۔

پانچ دن بعد جب امام مکہ پہنچ گئے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (سورۂ قصص، آیت ۲۲)

"جس وقت موسیٰ مدین کی جانب متوجہ ہوئے تو فرمایا: "میں امید رکھتا ہوں کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائے گا"۔

ان دو آیات کا مدینہ سے خروج اور مکہ میں ورود اس بات کی دلیل نہیں کہ خوف میں تھے اور سیدھے راستے کی ہدایت طلب فرما رہے تھے بلکہ مدعا یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ اپنے مقصد و طلب کی غرض سے اپنے وطن سے بے خوف ہو کر نکلے تھے، وہ بھی نکلے ہیں اور کوئی دلیل نہیں کہ وہ بیابانوں سے سفر کریں، بلکہ وہ ان راستوں سے جائیں گے جہاں سے تمام لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

اگر امامؑ بیابانوں سے سفر کرتے تو دشمن کے ہاتھ بہانہ آجاتا کہ حسینؑ نے راہ فرار اختیار کی ہے اور وہ ایک بزدل شخص ہے اور یزید سے خوفزدہ ہے۔

خاندان بنی ہاشم سے ایسا عمل صادر ہونا بعید ہے۔ اگر ہم حضرت امیر المومنینؑ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ انھوں نے لمحہ بھر بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی یا پھر خود کو بیابانوں کا مسافر نہ بنایا۔ □□□

یزید نے امام حسینؑ بن علیؑ کو مکہ میں قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟

یزید نے اس حکم کے ذریعے تیر پر کئی نشانے باندھ رکھے تھے، مثلاً:

① امام حسینؑ کے قتل ہونے سے بنی امیہ کے حکومت کے تسلسل کی بنیاد فراہم ہو جاتی۔ کیونکہ تمام دنیائے اسلام میں ان کے مثل کوئی اور شخصیت موجود نہ تھی کہ جس کی مخالفت کا رجحان حکومت میں زیادہ اہمیت رکھتی اور جائز قرار پاتی۔ لہٰذا جس وقت امام حسینؑ قتل ہوتے، دوسرے افراد اپنے اپنے امر کا خود ہی حساب کتاب کر لیتے۔

② امام عالی مقام کی دہشت گردانہ واردات کے نتیجے میں ہونے والی ناگہانی موت کا الزام بنی امیہ کے سر نہ آتا۔ اسی لیے پانچ، چھ افراد پر مشتمل گروپ مختلف مقامات پر متعین کیے تھے جو منیٰ، عرفات و دیگر جگہوں پر موجود رہ کر سید الشہداء سے ٹکراؤ کرتا اور واردات کر کے فرار ہو جاتا۔ امیر مکہ اس صورت حال سے بچنے کی خاطر دو چار افراد کو گرفتار کرتا اور مناسک حج کی ادائیگی کے بعد یہ کہہ کر آزاد کر دیتا کہ قاتل شناخت نہیں ہو سکے اور یوں خون حسینؑ رائیگاں چلا جاتا۔

③ مکہ میں امام کا قتل حرم خدا کی حرمت کو پامال کر دیتا اور پھر لوگ حرم میں

ایمان نہ ہونے کے سبب حج کے واجب کا سوال اٹھانے اور واجب نہ رہنے کے جواب پر نہ صرف مالک حج کی ہوا آوری پر سوالیہ نشان لگا بلکہ حکومت اپنے کی اس ناپاک خواہش کو عملی صورت ملتی جس کے تحت وہ حج کی منسوخی کے خواہاں تھے۔

□□□

۳۵

کیا امام حسینؑ کا مکہ سے خروج قتل ہو جانے کے خوف کے باعث وقوع پذیر ہوا؟

امام حسینؑ کا خروج مکہ سے کربلا کی جانب کسی طرح سے بھی قتل ہو جانے کے خدشہ یا خوف کے باعث نہ تھا جیسا کہ امامؑ نے مکہ سے نکلنے سے پہلے ایک جماعت کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور اس تاریخ ساز خطبے میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا تھا: "موت اس طرح سے انسانوں کے لیے لازم کی گئی جیسا کہ گلوبند (جوان) عورتوں کی گردن کے لیے لازم ہوتا ہے۔ میں تو اپنے بزرگوں سے ملاقات کرنے کا اس قدر مشتاق ہوں جیسے کہ یعقوبؑ دیدار یوسفؑ کے مشتاق تھے۔ (پس) میرے لیے ایک قتل گاہ معین کی جا چکی ہے کہ جہاں مجھے پہنچنا ہوگا (لہٰذا) میں اپنی آنکھوں سے (وہ منظر) دیکھ رہا ہوں کہ اس بیابان کے درندے (کوفہ کے لشکری) میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے بھوکے شکموں کو بھر رہے ہیں....."

اس خطبے میں امامؑ اپنی شہادت سے متعلق اپنے علم کی خبر دینے کے علاوہ اس کی جزئیات سے بھی لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں اور لوگوں کو اس امر کے اجرا کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ امام حسینؑ کا مکہ سے خروج موت کے ڈر سے تھا بالکل غلط ہے۔ بلکہ امامؑ کے پیش نظر کچھ اور اہداف تھے جن کو حاصل کرنا امامؑ کا مقصود تھا۔

□□□

امام حسینؑ نے حج کے دوران کیوں مکہ چھوڑا؟

امام حسینؑ تین شعبان کو مکہ میں وارد ہوئے اور رمضان المبارک کے وسط میں مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ کی درخواستوں کے جواب میں کوفہ روانہ کیا۔ امام عالی مقام آٹھ ذوالحجہ تک مکہ میں مقیم رہے۔ کوئی بھی تصور نہ کر سکتا تھا کہ فرزند رسولؐ روز ترویہ (جب تمام لوگ احرام باندھتے ہیں) مکہ سے چلے جائیں گے اور حج کو انجام نہ دیں گے۔ امامؑ نے احرام سے نکلنے کے بعد عمرہ مفردہ کے اعمال انجام دیئے اور طواف کے بعد صفا و مروہ میں سعی کر کے احرام اتار دیا اور کربلا کی جانب سفر اختیار کیا۔ امام حسینؑ کا یہ عمل انجام دینے کا مقصد کچھ اہداف کا حصول تھا۔

① امامؑ ارادۂ یزید سے آگاہ تھے کہ حرم الٰہی میں قتل کیے جائیں گے اور اس وجہ سے کہ یہ خون بہایا گیا ہے دو سگر ریاست اسلامی کے امد و جزر پذیر ہوں گے:

(الف)..... حرم بیت اللہ کی حرمت پامال ہوئی ہے۔

(ب)..... خون امام حسینؑ بے جا بہایا جاتا اور رائیگاں چلا جاتا۔

اسی لیے امامؑ نے عبداللہ بن زبیر کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"اگر مکہ سے بالشت بھر بھی قتل کیا جاؤں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ (مکہ کے) احد قتل ہو جاؤں۔ اے ابن زبیر! اگر فرات کے کنارے دفن کیا جاؤں تو یہ مجھے بہت زیادہ عزیز ہوگا بہ نسبت اس کے کہ میں کعبہ کے سائے میں دفن ہوں"۔ (کامل ابن اثیر)

جلد ۴، ص ۳۸)

◈ امام حسینؑ کے پاس یہ بہت اچھا موقع تھا کہ جب آٹھ ذوالحجہ کو تمام لوگ عازم عرفات تھے اور صبح کے اعمال بجالانے میں مشغول تھے، امامؑ نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور اپنے اس عمل سے لوگوں کو دعوت فکر دی کہ وہ یہ سوچیں کہ آخر فرزند رسولؐ اللہ کو ایسی کیا مہم آن پڑی کہ وہ اعمال صبح چھوڑ کر یہاں سے جا رہے ہیں۔

امام کا یہ عمل اصطلاحاً ایک واضح حکمت عملی تھی۔ علامہ شہید مرتضیٰ مطہری فرماتے ہیں:

"امام حسینؑ کا روز ترویہ نکلنا جب منیٰ و عرفات کو سفر کیا جاتا ہے ایک تبلیغی اہمیت کا حامل تھا جبکہ آپ اپنی اقامت مکہ میں رکھتے تھے۔ آپ کا مقصود اس طرز عمل سے یہ پیغام پہنچانا تھا کہ میں نے اس لیے منہ موڑا ہے کہ کعبہ اُمویوں کے قبضے میں ہے اور یہ حج کہ جو کلی طور پر یزیدی تسلط میں ہے، ایک ایسا حج ہے کہ جس کا ظاہر اسلامی اور باطن جہالت پر مبنی ہے۔ (اس طرح) امامؑ نے آشکار کر دیا کہ اسلام اس صورت حال میں درپیش خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور حقیقت میں یہ خطرے سے دوچار ہے"۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳، ص ۳۳۹)

اگر امام حسینؑ مکہ سے خروج نہ کرتے تو ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہو جاتے اور وہ یہ تھا کہ اعمال حج بجالانے کے دوران ہی قتل کر دیے جاتے اور اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی تو یزید اپنے اہداف حاصل کر لیتا اور خون پاکیزہ پامال کر دیا جاتا (اس لیے ملحوظ رکھا جائے کہ امامؑ موت سے فرار حاصل کرنے کے لیے مکہ سے نہیں نکلے)۔

□□□

۲۷

کیا کوفہ میں جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی امام حسینؑ سے کی گئی گزارش غلط تھی؟

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ پندرہ رمضان المبارک ساٹھ ہجری کو امام حسینؑ کے حکم سے کوفہ کی جانب مکہ سے روانہ ہوئے۔ امام حسینؑ مسلم بن عقیل کے ذریعے سے دو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے:

◇ اہل کوفہ کی درخواستوں کا جواب دیا جائے۔

◇ کوفہ میں پہنچ کر وہاں کی (سیاسی، معاشرتی، عوامی) فضا کی تحقیق کی جائے اور لوگوں کو امام حسینؑ کی نصرت کے لیے آمادہ کیا جائے۔ جناب مسلمؑ بن عقیلؑ نے چالیس روز کی تگ و دو اور تحقیق کے بعد ماحول کو امامؑ کے لیے سازگار پایا تو امام حسینؑ کو خط لکھا:

ان الرائد لا یکذب اھلہ، ان جمام اھل الکوفۃ معک فا

قبل حسین نقر اکتاب﴿ والسلام﴾

"اہل کوفہ کی ایک کثیر جماعت آپ کی نصرت کے لیے آمادہ ہے۔ میرا خط ملنے کے بعد آپ فوراً کوفہ کی جانب سفر اختیار کیجیے"۔

چونکہ حاکم کوفہ نعمان بن بشیر نے اس مسئلہ کو زیادہ اہمیت نہ دی کہ لوگ

جوق در جوق مسلمؑ کی بیعت کیے جا رہے تھے اس لیے یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو بصرہ سے کوفہ کی جانب گورنر بنا کر بھیج دیا تاکہ کوفہ کے حالات کو اپنے قابو میں کر سکے اور مسلم کے قیام کی سرکوبی کر سکے۔ ابن زیاد نے پہلے تو آتے ہی تیز و تند تقاریر سے لوگوں کو دہشت زدہ کر دیا اور پھر دوسرے مرحلہ پر سرداران و بزرگان کوفہ کو توڑا۔ پھر ہانی بن عروہ کے گھر پہنچ کر مسلمؑ بن عقیلؑ کے چھپنے کی جگہ معلوم کر لی اور پھر انھیں قید کر دیا۔ بعد میں دارالامارہ کی چھت پر شہید کر کے مسلمؑ اور ہانیؓ کے سروں کو یزید کے پاس بھجوا دیا۔

ابن زیاد نے اس کام کو انجام دینے کے بعد ایک اور حکم یہ جاری کیا کہ شیعیان علی کو جہاں پاؤ قید کر کے سپرد زندان کر دیا جائے۔ اس طرح بارہ ہزار افراد کو قید کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے مسلم اور امام حسینؑ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کا سہارا لیا اور ان کے تفکرات اور اندیشوں میں گہرا اثر اپنے رعب، ظلم، اور دہشت کے ذریعے سے قائم کیا جس کی وجہ سے اہل کوفہ امام حسینؑ کی آمد سے مایوس ہو گئے۔ اہل کوفہ کی حمایت مسلم سے بیعت توڑنے کے بعد تقریباً ویسی ہی تھی جیسے جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کی حمایت ان کے ساتھیوں کی جانب سے تھی۔ جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کامیابی کے دہانے پر کھڑے تھے کہ عمرو بن عاص کی قرآن کو نیزوں پر چڑھانے کی مکاری نے امیرالمومنینؑ کے ساتھیوں میں اختلاف کو وجہ تکرار بنایا یہاں تک کہ وہ اس صورت حال میں امیر شام سے جنگ کو قرآن سے جنگ قرار دے رہے تھے۔

بحث یہ ہو رہی ہے کہ جناب مسلم کی یہ (امامؑ کی آمد کوفہ کے متعلق) گزارش درست تھی یا غلط کیونکہ جس طرح سے کہ عبیداللہ بن زیاد دو روز کے اندر اندر کوفہ پر حاوی ہو گیا تھا۔ جس طرح سے ابن زیاد نے ڈنڈا مار حکومت قائم کی اور جس طرح وہ اٹھارہ ہزار افراد کہ جنھوں نے مسلم کی بیعت کی تھی ایک ہفتے کے اندر اندر ابن زیاد کے لشکر میں شامل ہو گئے اور مسلم کو تنہا چھوڑ گئے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان کا سبب ہے۔

درحقیقت دو عوامل اہل کوفہ کی مسلم سے بیعت شکنی کا سبب بنے:

① بنوامیہ کا خاندان تقریباً تیس سال سے کوفہ پر حاکم تھا اور اس نے شیعان علیؑ اور دیگر بے گناہ افراد کو قتل کرنے اور جس بے جا کے عمل کے ذریعے اپنے خوف کی فضا قائم کر رکھی تھی۔ اسلیے ابن زیاد کی ایک ہی جھڑکی سے انھوں نے مسلم کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا اور ان مقاصد و اعمال سے کنارہ کش ہو گئے جن کو وہ اپنائے ہوئے تھے۔

② اہل کوفہ کا کمزور ایمان اور بے وفا سرشت بھی اس صورت حال کا دوسرا محرک تھی کہ انھوں نے فرزند رسولؐ کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لیے۔ ایسے لوگ کثیر تعداد میں تھے کہ جو دنیا پرست اور عافیت طلب تھے۔ حضرت امام علی علیہ السلام کی صورت حال اور حکمیت کی قبولیت پر جس طرح مجبور کیے گئے تھے تو انھوں نے فرمایا تھا:

> "میں کل تک فرمانروا اور امیر تھا لیکن آج مامور اور محکوم بن گیا ہوں۔ کل تک میں تمہارے امر و نہی کا مالک تھا اور آج دوسروں کے امر و نہی کے مطابق چلنا پڑ رہا ہے۔ تم دوسروں کی زندگی چاہتے ہو اور یہ چیز میرے بس میں نہیں رہی کہ جس چیز (جنگ) سے تم بیزار ہو چکے تھے اس پر تم کو مجبور کر سکتا"۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۰۶)

ایک اور خطبے میں اہل کوفہ کی کاہلی اور کمزور ایمان کے متعلق فرماتے ہیں:

> "حیف ہے تم پر، میں تو تمہیں ملامت کرتے کرتے بھی اکتا گیا ہوں۔ کیا تمہیں آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اور عزت کے بدلے ذلت ہی گوارا ہے؟ جب تمہیں دشمنوں سے لڑنے کے لیے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگتی ہیں گویا تم موت کے گرداب میں ہو اور جان کنی کی حالت اور عدم ہوش تم پر غالب

ہے۔ میری باتیں گویا تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں تو تم ششدر رہ جاتے ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تمہارے دل و دماغ پر دیوانگی کا اثر ہے کہ تم کچھ عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے اپنے متعلق اپنا اعتماد کھو چکے ہو۔ نہ تو تم کوئی قوی سہارا ہو کہ جس پر بھروسہ کر کے دشمنوں کی جانب رخ کیا جا سکے اور نہ ہی تم عزت و کامرانی کے وسیلے ہو کہ تمہاری ضرورت کو محسوس کیا جا سکے۔ (پس) تمہاری مثال تو ان اونٹوں کی مانند ہے کہ جنہیں اگر ایک طرف سے سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے تتر بتر ہو جائیں"۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۹)

"امام حسینؑ اور ایران" کے مصنف اس ضمن میں کچھ سوالات اٹھاتے ہیں: ان کے الفاظ میں: "اگر مسلمؑ بن عقیلؑ یہ جانتے تھے کہ اس رات عبیداللہ بن زیاد ہی مسافر کے روپ میں تھا تو وہ کیونکر لوگوں کی جانب سے کیے گئے استقبال میں رکاوٹ نہ بنے؟ اور کیوں اس رات کہ جب ابن عقیلؑ اسی ہزار افراد کی حمایت کے حامل تھے تو انھوں نے عبیداللہ کو پکڑا، نہ ہی مزاحمت کی؟ اگر مسلمؑ یہ جانتے تھے کہ امامؑ کوفہ میں وارد ہو رہے ہیں تو پھر کیوں ان کے استقبال کو نہ پہنچے، یہ جاننے کے باوجود بھی کہ تمام اہل کوفہ ان کے استقبال کو جا رہے ہیں؟ کیا اس وقت کے رسوم و رواج کا تقاضا نہ تھا کہ جب لوگ امام حسینؑ کی کوفہ آمد سے باخبر ہو گئے تو وہ امام کے نمائندہ (مسلم) کے پاس جاتے تاکہ اپنے مذہبی پیشوا کا استقبال ان کے شایان شان کر سکیں؟

عقل یہ بات قبول نہیں کرتی کہ کوفہ میں امامؑ کی آمد کی خبر تمام طرف داروں کو تو ہو چکی ہو اور فقط مسلمؑ اس سے بے خبر ہوں۔ دوسری جانب عقل اس بات کو بھی ماننے کو تیار نہیں کہ مسلمؑ اس بات کو سمجھے ہوئے تھے کہ آنے والا مسافر امام نہیں بلکہ ابن زیاد

ہے اور انھوں نے اس بات کو امام کے حامیوں سے بیان نہ کیا ہوتا کہ اس کے استقبال سے لاتعلقی اختیار کر سکیں (ہاں ماسوائے اس کے کہ جیسا کہ کوفہ میں داخل ہونے کا انداز (مسالری) ایسا ہو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے)۔ اس لحاظ سے مسلمؑ نے ابن زیاد کو اگر کوفہ داخل ہونے نہیں روکا تو اس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ حسینؑ مسلمانوں کے بیچ جنگ اور بھائی کو بھائی کے قتل پر مائل کرنے پر راضی نہ تھے اور چونکہ مسلم یہ جانتے تھے کہ کوفہ کے لئے حاکم کی آمد پر مزاحمت کرنا سوائے خونریزی کے کچھ اور نہ ہوگا اس لیے انھوں نے امامؑ کے بیروؤں کو ابن زیاد کے کوفہ وارد ہونے پر مانع نہ بنایا۔

حضرت مسلمؑ کا یوں جنگ سے گریز اور ابن زیاد کے ورود پر مانع نہ ہونا اخلاقی نقطۂ نظر سے تو مستحسن ضرور تھا مگر سیاسی اعتبار سے درست نہ تھا کیونکہ اس جنگ سے گریز اور ابن زیاد کو وارد ہونے دینا ہی اس بات کا سبب ہوا کہ وہ خود دشمنوں کے گھیرے کا شکار ہو گئے۔ مگر اس ضمن میں کہ مسلم نے امام کا استقبال نہیں کیا، کوئی دلیل بھی عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتی اور فقط یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت مستند نہیں ہے کہ جس کے مطابق ابن زیاد امام حسینؑ کی طرح کا طیلہ بنا کر کوفہ میں وارد ہوا"۔

(امام حسینؑ اور ایران۔ کورٹ فریشلر۔ ترجمہ منصوری، ص ۶۰، ۶۱)

۲۸

امام حسینؑ نے عمر سعد اور حرؑ کو اپنے واپس لوٹ جانے کی پیشکش کیوں کی؟

"شراف" کی منزل پر حرؑ نے ہزار جنگجو افراد کے لشکر سمیت امامؑ کو روک لیا۔ امامؑ نے اس مقام پر اس کے سامنے دو باتوں کی پیشکش کی۔ آپ نے نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد فرمایا:

و ان کنتم لمقدمی کارهین انصرف عنکم الی المکان الذی جئت منه الیکم

"اگر میرا آنا تمہارے لیے (دلی کوفہ) باعث پریشانی ہے تو میں حاضر ہوں کہ جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں"۔

پھر نماز عصر کے بعد فرمایا: "اگر تم لوگ اس بات کے سوا کچھ چاہتے ہو کہ جو کچھ تمہارے دعوت ناموں سے عیاں ہوئی تھی تو میں اس مقام سے واپس لوٹ جاتا ہوں"۔

حرؑ سے امامؑ کی ملاقات سے لے کر صبح عاشور تک امامؑ نے پانچ مرتبہ جنگ ترک کرنے اور حجاز لوٹ جانے کی پیشکش کی۔

پہلی مرتبہ: حرؑ بن یزید اور اس کے ساتھیوں کے سامنے نماز ظہر کے بعد۔

دوسری مرتبہ: اسی روز نماز عصر کے بعد۔

تیسری مرتبہ: کربلا میں جب عمر سعد نے اپنے قاصد کے ذریعے امامؑ سے دریافت کیا کہ وہ کس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں؟

چوتھی مرتبہ: ان مذاکرات کے دوران جو عمر سعد نے خفیہ طریقے سے کربلا میں انجام دیئے۔

پانچویں مرتبہ: روز عاشور اپنے پر سوز اور رقت آمیز خطبے کے دوران امام حسینؑ کا یہ فرمانا کہ میں یہاں سے کہیں چلا جاتا ہوں کس سبب سے تھا؟ کیا امامؑ نے جو راستہ اپنایا تھا اس میں اشتباہ کا شکار ہو گئے تھے؟ یا یہ کہ موت کے خوف سے وہ ایسی درخواست کر رہے تھے؟ یا یہ کہ امام آخر کار یزید سے مصالحت کی راہ اپنانے پر آمادہ ہو گئے تھے؟

اوّل: حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا ایک ایسی حکمت عملی کا حصّہ تھا جس کے ذریعے امامؑ دشمن کے اس جھوٹے پراپیگنڈہ کا توڑ چاہتے تھے کہ حسینؑ بن علی نے حاکم وقت کے خلاف شورش کی اور جو کوئی بھی حاکم کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرے، لازم ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اگر ہم نے حسینؑ بن علی سے جنگ کی تو اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی بلکہ اس کا آغاز حسینؑ بن علیؑ کے ہاتھوں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ نے واپس لوٹ جانے کی پیشکش کر کے یہ بتلا دیا کہ ہم جنگ کرنے اور خونریزی کرنے کی خاطر نہیں آئے لیکن اگر تم لوگ ہمارے آنے سے پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوتے ہو تو ہم واپس لوٹ جاتے ہیں۔

دوم: امام حسینؑ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ان کی اس پیشکش پر عمل درآمد کے لیے تیار نہیں ہیں۔

سوم: اس بات کی درخواست کے ذریعے عوام کو یہ باور کروانا مقصود تھا کہ

یزیدی حکومت نے فرزند رسولؐ کو ان کے وطن سے دربدر کر دیا ہے اور اس بیابان میں ان کی اولاد و خانوادے کو بے آب و دانہ اکٹھا کر لیا ہے۔

چہارم: یہ درخواست ایک طرح کی حجت ہے۔ جیسا کہ آپ نے شراف کی منزل پر وضاحت سے فرمایا: "میرے یہ فرمودات تمہارے لیے اتمام حجت ہیں اور خدا کے نزدیک میری ذمہ داری کو پورا کرنا ہے"۔

پنجم: بعض روایات ایسی بھی ہیں کہ امامؑ نے حجاز کی جانب واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر عزیزؑ نے انھیں جانے نہ دیا مگر یہ روایات عقلی لحاظ سے درست نہیں کیونکہ امامؑ یہ جانتے تھے کہ حجاز اور مکہ میں وہ یزید کے مامور شدہ افراد کی امان میں نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اعمال حج ادھورے چھوڑ کر اور اسے عمرہ میں تبدیل کر کے عراق روانہ ہو گئے تھے۔ اس صورت میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ عراق سے مایوس ہو کر دوبارہ حجاز کا رخ کریں۔ (قیام امام حسینؑ از سید جعفر شہیدی۔ ص نمبر ۱۵۹)

■■■

ابن زیاد نے بہتر افراد کے مقابلے میں اسی ہزار کا لشکر کیوں کربلا میں بھیجا؟

ابن زیاد کوفہ، بصرہ، اور عراق کے دیگر شہروں سے بخوبی واقف تھا کہ وہاں شیعیانِ علیؑ کا مرکز ہے اور بصرہ میں امامؑ کی حمایت میں ایک انجمن بھی قائم ہے اس لیے ممکن ہے کہ وہ حسینؑ کی حمایت میں نکل پڑیں۔ ابن زیاد کو یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر اہلِ کوفہ و بصرہ امامؑ کی نصرت کو نکل کھڑے ہوئے تو اس کی حکومت اُکھڑ جائے گی۔ جیسا کہ اس نے اہلِ کوفہ کی مسلمؑ کی نسبت حمایت کا مظہر اور کوفہ میں اپنے داخلے کے وقت (امامؑ کے مقابلے کی بنیاد پر) پرجوش اور فعّال استقبال دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کا خاتمہ پوری طرح کردے اور اس پریشانی سے خود کو چھڑا لے۔ اس لیے اس نے اسی ہزار جنگجوؤں کا لشکر امامؑ کی قلیل جماعت کے مقابلے میں بھیج دیا۔

□□□

۴۰

کیا امامؑ نے کربلا کے ارادہ سے سفر نہیں کیا تھا؟

جو کچھ روایات، تاریخ وغیرہ کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ امام حسینؑ نے ابتدا ہی سے کربلا کی جانب سفر اختیار کیا تھا اور کربلا میں توقف محض ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا۔

◈ چونکہ مکہ کی جانب ابتدا، پھر عراق اور اب کربلا جانا یہ سب اس مقصد اور ہدف کے حصول کی خاطر تھا کہ جس کے لئے قیام میں امام حسینؑ تھے۔ اب آپ امامؑ کے ان فرمودات کی جانب متوجہ ہو جایئے کہ جو انھوں نے مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے:

"اے ابن زبیر! اگر میں فرات کے کنارے دفن بھی ہو جاؤں بہ نسبت اس کے کہ میں کعبہ کے سائے میں دفن ہوں"۔

امامؑ نے اپنی اس گفتگو میں الفاظ "شاطی الفرات" کا استعمال کیا ہے کہ جو کوفہ سے الگ ہے اور جیسا کہ شاطی الفرات کربلا کے جوار میں ہے لہٰذا اسی بنا پر امامؑ کربلا کی جانب سفر کا ارادہ رکھتے تھے۔

◈ کوفہ کی جانب جس وقت ابن کثیر دمشقی اور ابن نما امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ سے تلاوت قرآن کی بابت پوچھنے لگے اور وہ بھی اس حالت میں کہ آنسو اُن کی آنکھوں اور ڈاڑھی پر جاری تھے تو انھوں نے امامؑ سے عرض کیا: "اے فرزند رسولؐ! ہمارے ماں باپ آپؑ پر قربان! کس مقصد نے آپؑ کو اس بے آب و گیاہ

راہ پر ڈال رکھا ہے"۔

امامؑ نے جواب دیا: "ایک طرف تو بنی اُمیہ کی جانب سے میرا محاصرہ کیا گیا اور دوسری جانب یہ کہ اہلِ کوفہ نے نامے بھیج رکھے ہیں اور یہی اہلِ کوفہ ہیں کہ جو مجھے قتل کرڈالیں گے اور جب یہ لوگ اپنے ہاتھ اس گناہ سے آلودہ کر چکیں گے تو وہ خدا کے احکامات وقوانین کا احترام پامال کرڈالیں گے تو خدا تعالیٰ بھی ان پر کسی ایسے حاکم کو مسلط کرے گا جو انھیں قتل کرتا پھرے گا اور انھیں ایسا ذلیل وخوار کرے گا کہ جتنا کسی کنیز کا پھٹا پرانا لباس حقیر ہوتا ہے"۔

امام حسینؑ اپنے ان فرمودات میں اہلِ کوفہ کے ہاتھوں اپنے قتل ہوجانے کو یقینی اور حتمی قرار دیتے ہیں اور اس طرح عقبہ کے بیٹے سے فرمایا: "خدا کی قسم یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہ چھوڑیں گے کہ جب تک مجھے قتل نہ کرڈالیں"۔

یہ اس لیے فرمایا کہ امامؑ جانتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کس قدر بے وفا لوگ ہیں اور ان کے شہر میں جانا کسی طور معقول کام نہیں (لیکن امامؑ اہلِ کوفہ کے بھیجے گئے دعوت ناموں اور باندھے گئے عہد وپیمان کے لیے پابند تھے کہ حجت تمام کی جائے۔۔مترجم)

جس وقت کہ مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کی خبر کوفہ میں پھیلی اور امامؑ کو بھی پہنچی تو امام اپنے سفر سے واپس نہ ہوئے بلکہ اسی طرح اپنا سفر جاری رکھا اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ شروع ہی سے کربلا جانے کا ارادہ کر چکے تھے کیونکہ اگر امامؑ نے کوفہ کا ارادہ کیا ہوتا تو یہ خبر ملنے کے بعد واپس لوٹ جاتے۔

جس وقت آپ کربلا کی زمین میں داخل ہوئے تو فرمایا: "خداوند کریم میں تجھ سے ہر مصیبت و پریشانی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں ہمارے انجام پذیر ہونے کا مقام ہے اور خدا کی قسم! اس مقام پر ہماری قبور ہیں۔ اور خدا کی قسم کہ ہم روزِ قیامت یہیں سے محشور کیے جائیں گے اور یہ میرے نانا رسولؐ اللہ کا وعدہ ہے اور ان کے

وعدے سے ہمیں کوئی بھی اختلاف نہیں"۔ (بحار الانوار، جلد ۱۰، ص نمبر ۱۸۸)

امامؑ ابتدا ہی سے کربلا کے سفر کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس مقام کا قصد کہ جس کی خبر ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بابا علیؑ ابن ابی طالب فرما چکے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حسینؑ نے کوفہ جانے کے ارادے سے سفر شروع نہ کیا تھا تو پھر مسلمؑ بن عقیلؑ کو کس مقصد کے تحت عازم کوفہ کیا تھا؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ مسلمؑ کو کوفہ کی جانب بھیجنا ایک مصلحت اور مقصد کے تحت تھا کہ جو امامؑ کی نگاہ میں تھا۔ مسلمؑ کو کوفہ کی جانب بھیجنے کی مصلحت مختصراً یہ تھی کہ کوفیوں پر اتمام حجت کی جائے اور اہل کوفہ کے خطوط کا جواب دیا جائے۔ بارہ ہزار (بعض روایات کے مطابق اٹھارہ ہزار) خطوط کا جواب کے طور پر لازم تھا کہ امامؑ ان کا مناسب جواب دیتے اور یہی وجہ تھی کہ امامؑ نے اپنے چچازاد (نائب) کو بھیجا تاکہ ان پر حجت تمام کر دی جائے۔

اگر امامؑ اہل کوفہ کے خطوط کو خاطر میں نہ لاتے اور ان کو مناسب جواب نہ دیتے تو نہ صرف یہ کہ اہل کوفہ بالاتمام یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر امام حسینؑ اہل کوفہ کے خطوط کا جواب مثبت دیتے تو اہل کوفہ ان سے وفاداری برتتے۔ اب اہل کوفہ یہ کہہ سکتے تھے کہ امامؑ دنیائے اسلام کی خستہ حالی کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن امام حسینؑ نے مسلمؑ کو کوفہ کی جانب بھیج کر اہل کوفہ کے نفاق کو آشکار کر دیا اور امامؑ نے خود پر عائد ہر ذمہ داری اور حجت کو ان پر تمام کر دیا۔

□□□

۴۱

کیا سپاہِ امامؑ سے کوئی فرد لشکرِ یزید میں شامل ہوا؟

کسی بھی تاریخی ذخیرہ میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام حسینؑ کے اصحاب و انصار میں سے کوئی بھی شخص شب عاشور یا روز عاشور امام حسینؑ سے الگ ہوا ہو بلکہ امامؑ کے تمام اصحاب و انصار امامؑ کی اس درخواست کو ماننے کو تیار نہ تھے کہ وہ (اگر چاہیں) تو انھیں چھوڑ کر جا سکتے ہیں اور تمام کے تمام نے فرزندِ رسولؐ سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

ہاں البتہ یہ بات مسلمہ ہے کہ امامؑ نے مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کی خبر سن کر "زبالہ" کے مقام پر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "جو افسوس ناک خبر ہم تک پہنچی ہے وہ مسلمؑ بن عقیلؑ، ہانیؑ بن عروہ اور عبداللہؑ بن یقطر کی شہادت کی خبر ہے اور ہمارے مددگاروں نے ہماری مددگاری سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر آپ میں سے جو کوئی واپس جانا چاہتا ہے تو ہماری طرف سے وہ آزاد ہے اور ہم اس کی گردن سے اپنے حق کا بار اٹھاتے ہیں"۔ اس پر وہ اعرابی جو دوران سفر آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے، واپس لوٹ گئے اور صرف وہ ساتھی رہ گئے جو مدینہ سے امامؑ کے ہمراہ آئے تھے۔ علامہ شہید مطہری فرماتے ہیں: "امام حسینؑ کے اصحاب و انصار میں سے کوئی بھی لشکرِ یزید کے ساتھ نہ ہوئے سوائے ان کے جو گرفتار ہوئے" (یعنی جو گرفتار ہو کر لشکرِ یزید کے ہمراہ کوفہ و شام روانہ ہوئے۔ مترجم)

□□□

۴

حُرّ بن یزید ریاحی کیوں امامؑ کے ساتھیوں میں شامل ہوئے؟

روز عاشور ایک بہت ہی اہم واقعہ حُرّ بن یزید ریاحی کا سپاہ حسینؑ میں شمولیت کا تھا۔ یہ پہلا شخص ہے کہ جو "شراف" کے مقام پر امام حسینؑ کے مقابل ہوا اور ابن زیاد کا حکم بجالاتے ہوئے امام حسینؑ کے ساتھ ترش رو ہوا لیکن اس حالت میں بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ امامؑ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ حُرّ بن یزید نے کہا: "جس وقت میں نے امامؑ سے جنگ کی خاطر سفر شروع کیا تو ایک ندا سنی کہ کوئی مجھ سے کہتا ہے "اے حُرّ تجھے جنت کی بشارت ہے"۔

حُرّ کہتے ہیں کہ میں نے چاروں جانب نگاہ دوڑائی لیکن کسی کو نہ پایا تو خود سے کہا: "اے حُرّ! تیری ماں تجھ پر روئے تو فرزند رسولؐ سے جنگ کے لیے جا رہا ہے اور جنت کا مژدہ سنتا ہے"۔ حُرّ کہتا ہے "یہ بات میرے دل سے تا وقت دور نہ ہوئی جب تک کہ میں سپاہ حسینؑ میں شامل ہو گیا اور امامؑ نے فرمایا: "اے حُرّ! تو اپنے انجام کو پہنچ گیا اور خیر و خوبی سے سرشار ہو گیا"۔

جس وقت حُرّ شہید ہو گئے تو امامؑ حُرّ کے سرہانے پہنچے اور فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا اَخطَأَت اُمُّكَ حَيثُ سَمَّتكَ حُرًّا وَاَنتَ حُرٌّ فِی الدُّنيَا وَالاٰخِرَة

مگر سوچنے کہ وہ کیا چیز تھی کہ حُرّ کا انجام خیر و خوبی پر ہوا اور ظلمت نے نور کی

جانب ہدایت پائی؟

بلند ہمتی کے نقطۂ نظر سے سپاہ امام کا قوی ہونا

امام حسینؑ کی قوی قیادت کا ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ تمام تر سختیوں اور مصائب کے باوجود بھی وہ ذرہ برابر دشمن سے ملنے پر آمادہ نہ ہوئے لیکن مخالف لشکر کے دلوں کو جیت گئے۔ یہی وجہ ہوئی کہ حرؑ اور دیگر تیس افراد کے دل پسیج گئے۔ دوسری طرف امامؑ کے سپاہیوں کے حوصلے بہت بلند تھے اور یہی وجہ فریق مخالف پر اثر ڈالے، انہیں شکست کرنے کا سبب بنی۔ (حماسہ حسینی، جلد سوم ص ۲۷)

امام حسینؑ سے حرؑ کی شناسائی

ایک اور وجہ حرؑ کی سپاہ حسینؑ میں شمولیت کی یہ بنی کہ وہ ایک عرصے تک امامؑ کے ہمراہ رہا تھا اور انہیں قریب سے جان گیا تھا۔ (حماسہ حسینی، جلد سوم ص ۷۵)

صداقتِ حرؑ

یہ حرؑ کی صداقت اور پاکیزہ طینتی تھی کہ جس نے اسے شہادت کے اس بلند مرتبہ پر فائز کیا اور فیوض و برکات الٰہی میں اسے جگہ دی اور آخرت میں سربلند کیا۔

وجہ ابن حرؑ

کتاب "امام حسینؑ اور ایران" کے مصنف لکھتے ہیں: "حرؑ بن یزید ریاحی کا امام حسینؑ کے ساتھ شامل ہوجانا کسی مادی علت کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ اس عمل سے اس کے لیے خطرات اور نقصانات پیدا ہوئے، مثلاً:

◇ حرؑ جو کہ عمر سعد کے سپاہیوں میں سے تھا یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ اس جنگ میں امام حسینؑ کو بظاہر کامیابی نہ ہوگی۔

④ اس بات میں بھی تردد نہ تھا کہ اس جنگ میں امامؑ کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا امامؑ سے الحاق بھی ان کو قتل ہونے سے بچا نہ پائے گا۔

⑤ حرؑ یہ بھی جانتا تھا کہ حاکم وقت اس کے قبیلے سے اس بات کا انتقام لے گا۔

⑥ حرؑ کا شمار امیر اور مال دار افراد میں ہوتا تھا اور اسے مال کی تمنا لالچ نہ تھی۔

لہٰذا وہ چیز کہ جو حرؑ کے قتل حسینؑ کے ارادے سے باز رہنے میں مانع ہوئی اور توبہ کرنے والوں میں شامل کر گئی وہ اس کی وجدانی قوت تھی کہ اسی قوت نے اسے امام حسینؑ کے لیے اس جنگ کی صورت حال کا ذمہ دار یزید کو ٹھہرایا اور اس کی پاداش میں روز قیامت سخت ترین سزاؤں کا حق دار ٹھہرایا۔ حرؑ جب ابو عمران عبداللہ بن عامر کے پاس گئے جو کہ وقت کے ماہر قاری تھے اور قرآن کو سامنے رکھے ہوئے تھے اور ان کی طویل عمر قرآن کے ساتھ گزری تھی۔ ان سے گفتگو کے بعد حرؑ اس نتیجے پر پہنچے کہ فرزند رسولؐ کی حمایت کرنی چاہیے۔ چنانچہ حرؑ نے اس بات کی تشخیص کر لی کہ امامؑ نے شرعاً و عرفاً کوئی بھی گناہ نہیں کیا اور فاسق کی نظر میں ان کا یہ گناہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی جبکہ یزید کی بیعت نہ کرنا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جو قتل کرنے کا سبب بنے۔ (امام حسینؑ اور ایران، ص ۲۰۲)

⑤ پانچویں وجہ حرؑ کی لشکرِ حسینؑ میں شمولیت کی یہ بنی کہ حرؑ یزید بن معاویہ کو خلیفہ حق نہیں سمجھتا تھا اور یزید کے مقابل حسینؑ کے قیام کو خلیفہ سے بغاوت نہیں سمجھتا تھا۔ (دوسرا یہ کہ) حرؑ کی یزید کی بیعت کرنا حر کے باپ کے اصرار کا سبب تھی جو اسے احساس شرمندگی سے دوچار کر رہی تھی۔ (لہٰذا حر) شب عاشور تک حسینؑ کو ایک ایسے شخص کی مانند دیکھ رہا تھا کہ جس نے یزید کی بیعت نہیں کی لیکن اس (حسینؑ) کے بیعت نہ کرنے کو وہ کسی جرم سے منسوب نہ سمجھتا تھا۔

۱ ⑥ حرؑ نے جب قیام امامؑ اور حکومت یزید کے تمام زمینی حقائق کا ادراک کر لیا

تو آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ حسینؑ حق پر ہیں اسی لیے اس نے خود کو حق کے حوالے کر دیا۔

تصنیف "امام حسینؑ اور ایران" (فارسی) کے مصنف "ابن براج" کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ "حُر بن یزید ریاحی نے امام حسینؑ سے عرض کی کہ میں نے چار وجوہات کی بنا پر آپ کو حق پر پایا!

① جب میں آپ کے دہن سے کلام سنا تو مجھے بہت زیادہ متاثر کرتا جبکہ دوسری جانب جب میں نے یزید بن معاویہ کا یا اس کے عمال کا کلام سنا تو ان کی بات مجھے متاثر نہیں کرتی تھی۔ اور تجربے کی بنا پر ثابت ہے کہ جب کوئی کلام اثر رکھتا ہے تو (مطلب یہ ہے کہ) صاحب کلام اپنے قول پر اعتقاد کا پابند ہے۔

② دوسرا سبب آپ کو حق پر پانے کا یہ ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ خدا کی راہ میں اور احکام دین اسلام کو لاحق خطرات کی روک تھام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

③ سوم یہ کہ معلم قرآن نے مجھے کہا تھا کہ جب کبھی تم دو اصل اور دو عقیدوں میں تردد کا شکار ہو اور یہ طے نہ کر پاؤ کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے تا کہ اس کی پیروی کرو (تو ایسی صورت میں) یہ دیکھو کہ ان میں سے وہ ایک کون ہے کہ جس سے تم مادی طور پر مستفید نہیں ہوتے۔ اگر تم یہ جان گئے کہ اس کے عقیدے سے منسلک ہونے پر تمہیں کچھ بھی (مادی) فائدہ نہ ہوگا بلکہ تم (مادی) گھاٹے پر ہو گے تو تم جان لو کہ وہ حق پر ہے اور اسی سے منسلک ہو جاؤ۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے عقیدے اور یزید کے عقیدے کے مابین آپ کا عقیدہ اس مادی فائدے سے عاری ہے اور اگر میں آپ سے منسلک ہوتا ہوں تو آپ کے مقابل لوگ مجھے کچھ بھی مادی فائدہ نہ دیں گے بلکہ میری جان بھی لے لیں

گے اسی لیے میں آپ سے مربوط ہو گیا ہوں۔

﴿ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ تنہا ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کا اتحاد ہیں بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے خاندان اور آپ کے دوست اصحاب ہیں لیکن آپ کی جماعت اس قدر قلیل اور کمزور ہے کہ گویا آپ بالکل تنہا ہیں اور لوگ اس ہنگامی دنیا کی خاطر آپ کی مدد کے لیے تیار نہیں۔ لیکن اگر آپ دنیا دار ہوتے تو آپ کے پاس بھی ایک ایسا لشکر ہوتا جو عمر بن زیاد کے لشکر کی قوت کا واقعاً مقابل کہلاتا۔

□□□

امام حسینؑ نے شب عاشور گزارنے کی مہلت کیوں طلب کی؟

نو محرم ساٹھ ہجری کے روز وقت عصر، عمر سعد نے امام حسینؑ کے خیام پر حملہ کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ عمر سعد کا لشکر جنگی ساز و سامان سے لیس ہو کر پیش قدمی شروع کر رہا تھا کہ اس دوران امامؑ خیمہ سے باہر آئے کہ جب وہ (اعمدون خیمہ) اپنی تلوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور نیند کا خمار ان کی آنکھوں سے ظاہر تھا۔ جب حضرت زینبؑ نے عمر سعد کے لشکر کی صدا سنی تو اپنے بھائی کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا: اے بھائی! دشمن خیام سے نزدیک تر ہوئے جاتے ہیں۔

امامؑ نے سر بلند کیا اور فرمایا: "میں نے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم جلد ہی ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے"۔

اس کے بعد امامؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ سے فرمایا: "اے بھائی! میری جان تم پر قربان ہو، تم سوار ہو کر جاؤ اور ان سے (عمر سعد) ملاقات کرو اور ان کے مقصد حرکت کے بارے میں دریافت کرو"۔

ابوالفضل بیس افراد کی ہمراہی میں کہ جن میں حبیب بن مظاہر، زہیر بن قین بھی شامل تھے دشمن کی جانب پیش قدمی کر کے ان تک پہنچے اور ان کی نقل و حرکت کا مقصد پوچھا۔ عمر سعد نے ابوالفضل کو جواب میں کہا کہ امیر لشکر، ابن زیاد نے کہا ہے آپ لوگ اسی وقت بیعت کریں یا پھر ابھی آپ سے جنگ کی جائے گی۔

ابوالفضلؑ نے عمر سعد کی اس بات کو اپنے بھائی امام حسینؑ تک پہنچایا۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: "بھائی اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اگر ہو سکے تو صرف آج کی رات گزر جانے کی مہلت حاصل کرو اور جنگ کو کل تک کے لیے ملتوی کروا دو۔ میں آج رات بارگاہ ربی میں نماز و قرأت قرآن و مناجات اور استغفار میں بسر کرنے کا شدید آرزومند ہوں"۔

حضرت ابوالفضل نے ایک رات کی مہلت کا تقاضا عمر سعد تک پہنچا دیا اور عمر سعد نے لشکر کے سالاروں سے مشورہ کر کے اس پر اپنی رضامندی دے دی۔

امامؑ کی اس ایک رات کی مہلت کا فلسفہ کیا تھا؟ کیا امام حسینؑ اس دنیا میں ایک اور رات بسر کرنے کے خواہشمند تھے؟ کیا وہ چند مزید ساتھیوں کی آمد کے منتظر تھے کہ جنہوں نے ان کی مدد کو پہنچنا تھا؟ یا وہ اپنی زندگی سے اس قدر علاقہ رکھتے تھے کہ ایک مزید رات جینے کے خواہاں تھے؟ یقیناً امامؑ نہ تو دنیاوی زندگی کی محبت میں گرفتار تھے اور نہ ہی اس دنیا کی، اور اسی طرح سے نہ ان کو مزید ساتھیوں کی آمد کا انتظار تھا بلکہ انھوں نے ان چار چیزوں کے لیے مہلت کی درخواست کی تھی:

① نماز ② دعا ③ استغفار ④ تلاوت قرآن

امامؑ کی اس درخواست کے ذریعہ نماز، دعا، مناجات اور تلاوت قرآن کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے لیے ایک رات کی مہلت دشمن سے طلب کر رہے تھے۔

□□□

امام حسینؑ ایک طرف اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کی اجازت دیتے تھے تو دوسری طرف دوسروں کو اپنی مدد کے لیے بلاتے تھے؟ کیوں؟

① چونکہ امامؑ کا کردار یہ نہ تھا کہ کسی کو بھی دنیاوی لالچ کا فریب دیتے بلکہ امامؑ کا ہدف یہ تھا کہ جو افراد بھی ان کی معیت میں مارے جائیں وہ انھیں کی طرح معتقد ہوں نہ کہ وہ کسی پر بوجھ لاد دیں۔ یہ اسلام کے امتیازات میں سے ہے کہ اس کے تمام افراد بیدار اور ہوشیار ہوں۔

② امامؑ کی کبھی اپنے ساتھیوں کو چلے جانے کی اجازت دینا اور کبھی دوسروں کو اپنی مدد کے لیے پکارنے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دونوں کو آزمانا چاہتے تھے اور اپنی حجت کو ان پر تمام کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کمال صراحت سے فرمایا:

"اس تاریک شب میں تم کسی شہر یا دور دراز علاقے میں چلے جاؤ۔ کیونکہ ان لوگوں کو فقط مجھ سے غرض ہے اور جب مجھ کو حاصل کر لیں گے تو تم سے ہاتھ کھینچ لیں گے"۔ (بررسی تاریخ عاشورا، ص ۳۶-۳۷)

اسی لیے عبیداللہ بن حرؓ کا سراغ حاصل کیا اور اسے اپنی مدد کے لیے بلایا، وہ حاضر ہوا اور اپنا گھوڑا امامؑ کی خدمت میں پیش کیا جبکہ خود امامؑ کی مدد کو تیار نہ ہوا۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"اب جب تم ہماری راہ میں جانثاری سے گریز کر رہے ہو تو ہم نہ صرف یہ کہ تمہاری حاجت نہ رکھتے ہیں بلکہ تمہارے گھوڑے کی بھی ہمیں حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ میں گمراہ لوگوں سے کوئی مدد بھی نہیں قبول کرتا ہوں"۔ (سفیان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۱۴۳)

■■■

۴۵

کیا شبِ عاشور خیام میں پانی لایا گیا تھا؟

محدث قمیؒ فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ امام حسینؑ نے شب عاشور حضرت علی اکبرؑ کو تین سواروں اور بیس پیادہ افراد کے ہمراہ ایک مشک پانی لے کر آنے کے لیے بھیجا۔ حضرت علی اکبرؑ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کچھ پانی خیموں میں پہنچایا۔

امامؑ نے اپنے اصحاب اور اہل بیتؑ سے فرمایا: "اس پانی سے خود کو سیراب کرو کہ یہ تمہارا آخری توشہ ہے اور وضو غسل کرو اور اپنے لباس کو دھولو کہ یہی تمہارا کفن بنے گا۔ (منتہی الآمال، جلد اول، ص ۳۲۱)

اس روایت کی رو سے شب عاشور حضرت علی اکبرؑ کے وسیلے سے پانی خیام میں پہنچایا گیا اور تمام اصحاب و اہل بیتؑ نے اس پانی سے استفادہ کیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)[1]

□□□

---

[1] اگر اس ایک روایت کو مان لیں اور ۷ تا ۱۰ محرم پیاس اور پانی نہ ملنے سے متعلق کثیر روایات کو رد کرنا پڑے گا۔ تاہم متعدد بالا روایت کو رد کرنے کے لیے دیگر متواتر مستند روایات، متقابل اور واقعات کربلا کی کتب کی جانب رجوع کیجیے۔ — مترجم

امامؑ نے شب عاشور سورۂ توبہ کی تلاوت کیوں فرمائی؟

فریڈلو اپنی کتاب امام حسینؑ اور ایران میں اس طرح لکھتا ہے: "بعض شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے محرم کی دسویں رات اپنی وصیت کرنے سے پہلے سورۂ توبہ کی تلاوت کی جو قرآن کا نواں سورہ ہے۔ اس سورہ کا انتخاب اور فلسفہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس سورہ کی آیت نمبر ۳۶ میں مسلمانوں کا چار ایسے مہینوں میں جنگ نہ کرنے پر زور دیا گیا ہے کہ ان چار میں سے ایک ماہ محرم ہے۔ امامؑ نے ان چار مہینوں میں جنگ نہ کرنے کی مربوط آیات عمر بن سعد کو لکھ کر بھیج دیں۔ امامؑ اپنے اس فعل کے ذریعے عمر بن سعد کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ خداوند متعال نے حرمت کے جن مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا حکم دیا ہے محرم ان میں سے ایک ہے۔ تم لوگ کہ جو چاہتے ہو کہ مجھ سے جنگ کرو اور مزید یہ کہ تم مردان راہ حق میں سے ایک کے مقابلے میں تلوار لئے کھڑے ہو تو سراسر تمہارا یہ فعل قرآن کے خلاف ہے۔

عبیداللہ ابن زیاد اپنے مذہبی مشیر شبث بن ربعی کے مشاورت کے بعد اس بات پر مصر ہوگیا کہ اس درپیش ہونے والی صورت حال کی روک تھام کردی جائے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ پر یہ استدلال اختیار کیا کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی صورت میں ان حرمت والے مہینوں میں جنگ جائز ہے اور صورت یہ ہے کہ اگر معاملہ مشرکین یا کفار کی جانب سے جنگ یا حملہ کرنے کا ہو۔ چونکہ اس آیت میں لفظ مشرک

موجود ہے اور امام کو اس محصن میں نہیں پایا جا سکتا اس۔ یہ یہ طے کیا گیا کہ ان کو پہلے تو حملہ آور اور پھر مرتد ٹھہرایا جائے۔

اس طرح عبیداللہ ابن زیاد نے شبث بن ربعی کی مدد سے یہ اعلان کروادیا کہ حسینؓ بن علیؓ نے مدینہ سے مکہ کی جانب سفر اختیار کیا تاکہ وہ کوفہ میں اپنے پیروؤں سے مل کر زمام حکومت کو چھین لے اور خلافت کو غصب کر ڈالے۔ اس لیے وہ ایک باغی حملہ آور ہے اور ضروری ہو سکتا ہے کہ اس ماہ حرام میں اس سے جنگ کی جائے۔ اس لیے تین دلیلیں اس جنگ کی ناگزیر صورت حال کے لیے پیش کی گئیں۔

① حسینؓ بن علیؓ علانیہ طور پر یزید بن معاویہ کی خلافت کا انکار کر رہے ہیں جو کہ مسلمین پر برحق خلیفہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت کی جانب سے منتخب شدہ ہے اور جو کوئی بھی خلیفہ برحق سے منکر ہو جاتا ہے وہ مرتد کہلاتا ہے اور اس کا قتل واجب ہوتا ہے۔

② چونکہ حسینؓ بن علیؓ نے خلیفہ سے جنگ کرنے کے ارادے سے مکہ سے سفر اختیار کیا ہے اور اس کے ارادے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے اس لیے اس سے جنگ کرنا واجب ہے۔

③ جس وقت حسینؓ بن علیؓ کو گھیر لیا گیا اور ان سے گلے ملنے کو کہا گیا (یزید کے حق میں بیعت کرنے) تو انھوں نے اس سے اجتناب کیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ باطل دلائل کے ذریعے جو اس زمانے کے لوگوں اور آج کے لوگوں کے لیے بھی قابل قبول نہ ہو سکتے جن کی بنا پر امامؑ سے جنگ جائز قرار دی جا سکے، امامؑ سے لڑنا جائز قرار دے دیا گیا۔

□□□

۴۷

کیا اصحابِ امامؑ کا مرتبہ اصحاب بدر و صفین سے بڑھ کر ہے؟

امامؑ نے مدینہ سے کربلا تک کے طویل سفر میں مختلف اوقات کے دوران اپنی شہادت سے متعلق لوگوں کو مطلع کیا اور اپنے اصحاب کو واپس لوٹ جانے کی اجازت بھی دی اور بیعت سے ان کی گردنوں کو آزاد کیا اور پھر شبِ عاشور آخری مرتبہ اس بات کو وضاحت سے پیش کیا اور فرمایا: "وقتِ شہادت بالکل نزدیک آ پہنچا ہے اور میں نے اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھالی ہے۔ اس لیے تم اس رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھاؤ اور اپنے گھروں اور شہروں کی جانب چلے جاؤ"۔ امام حسینؑ کے اصحاب و انصار نے اپنی وفاداری کو آپ حضرتؑ سے اس طرح منسوب کر دیا تھا کہ اپنی استقامت سے خود کو اپنے خون کے آخری قطرے تک آپ کے ساتھ رہنے کا اعلان کیا۔ ان سب میں سے پہلے درجے پر ان کے بھائی عباسؑ بن علیؑ تھے اور ان کے بعد تمام افراد بنی ہاشم اور پھر ان کے بعد مسلم بن عوسجہ، سعد بن عبداللہ، زہیر بن قین اور امامؑ کے دیگر اصحاب و انصار تھے، جنہوں نے زبان سے اپنی وفاداری کے لیے ایسے جملے امامؑ کی خدمت میں عرض کیے جو ان کی وفاداری پر دلیل تھے۔

غرض امامؑ نے اسی ضمن میں خطبہ ارشاد کیا اور بعد از حمد و ثنا پروردگار فرمایا:

"میں نے اپنے اصحاب و انصار سے بہتر اصحاب و انصار نہیں دیکھے ہیں۔ اور اپنے اہل بیتؑ اور اس خاندان سے بڑھ کر کسی کی اہل بیتؑ کو نہیں پایا (پس) خداوند

کریم آپ سب کو جزائے خیر دے"۔

علامہ شہید مطہری فرماتے ہیں: "اصحاب ابا عبداللہؑ کا طریقہ کار ایسا تھا کہ جس کی بنا پر انھوں نے تمام اصحاب و انصار و شہدا سے سابقہ پر سبقت حاصل کر لی تھی۔ چونکہ وہ اپنے دوست (امام حسینؑ) سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور وہ دشمن کی جانب سے بھی مطلوب نہ تھے پس اسی سبب سے امامؑ نے فرمایا تھا کہ انھیں (یزید کو) ماسوائے میرے کسی اور سے سروکار نہیں ہے اور تم اس تاریک شب سے استفادہ کر سکتے ہو کہ چلے جاؤ اور انھوں نے اسی سبب سے اپنی نگاہوں کو بھی جھکا دیا کہ کہیں ان کی نظریں ان کے اصحاب کے لیے شرمندگی کا باعث نہ بن جائیں۔

علاوہ ازیں طارق بن زیاد کے اصحاب کی طرح یہ دشمن کے گھیرے میں اس طرح نہ پھنسے تھے کہ کشتیاں اور سامان و خورد و نوش جلا دیا گیا ہو۔ پس اصحاب حسینؑ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب بدر اور علیؑ کے اصحاب صفین پر سبقت حاصل تھی۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے اصحاب عمر سعد اپنی بدبختی و شقاوت میں ابوسفیان کے بدری اور اُحدی ساتھیوں اور امیر شام کے صفینی ساتھیوں سے کئی گنا بڑھ کر تھے۔ چونکہ یہ لوگ ایک ایسی حالت میں گناہ و جرم کے مرتکب ہو رہے تھے کہ جب ان کی روح اور دل اس کے خلاف صدائے فریاد کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فرزدق جب راستے میں امامؑ سے ملا تو اہل کوفہ کے بارے میں کہا: قلوبهم معك و سيوفهم عليك "کہ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپ کے خلاف نکلی ہوئی ہیں"۔

یہ سب اشک بھی بہا رہے تھے مگر حسینؑ کی اولاد کے گوشوارے ان کے کانوں سے چھین کر اُتار بھی رہے تھے۔ لرزاں تو ہو رہے تھے مگر امامؑ کے سر کو جدا کرنے کو بھی تیار ہو گئے تھے"۔ (حماسہ حسینی، شہید مطہری، جلد سوم ص ۵۶-۵۸)

□□□

۴۸

کیا امامؑ نے جنگ کی ابتدا کی تھی؟

روز عاشور، لشکر عمر بن سعد نے امام حسینؑ کے لشکر اور خیام کے گرد اپنا گشت شروع کر رکھا تھا۔ وہ جس جانب بھی رخ کرتے تو خیموں کے گرد خندقوں میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھتے تھے۔ اس اثنا میں شمر (لعین) کی آواز بلند ہوئی کہ اے حسینؑ! اس سے پہلے کہ قیامت تجھ تک آ پہنچے تو نے آگ اور جہنم کی جانب جانے میں بے تابی اور جلدی کر دکھائی۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا: اس بات کو کہنے والا شمر (لعین) ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں یابن رسولؐ اللہ! امامؑ نے (شمر) کو مخاطب فرمایا: "اے بکریاں چرانے والی عورت کے بیٹے! تم آتش جہنم کے سب سے بڑے سزاوار ہو"۔ حضرت مسلم بن عوسجہ نے کہ جو امامؑ کے ساتھ کھڑے تھے، عرض کیا: "یابن رسولؐ اللہ! میری تلوار طیک لگانے پر ہے اجازت فرمایئے تا کہ اسے ابھی واصل جہنم کروں"۔ امامؑ نے فرمایا: "میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ان کے ساتھ جنگ کا آغاز کروں"۔

روز عاشور امامؑ کے تمام تر فرامین کے بعد جنگ کے تمام لشکر اور مقدمات فراہم ہو گئے۔ حرؑ بن یزید ریاحی، امامؑ کے صدائے استغاثہ کی بدولت خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور لشکر حق سے آ ملا۔ پس اسی اثنا میں عمر بن سعد نے اپنی کمان میں

ایک تیر چلایا اور سپاہ ابن عبداللہ کی جانب چھوڑ دیا اور کہا: "امیر ابن زیاد کے پاس اس بات کے گواہ رہنا کہ میں نے سب سے پہلے جنگ میں پہل کی"۔ غرض یہ کہ رسمی طور پر عمر بن سعد نے لشکر حسین پر تیر چھوڑ کر جنگ کا آغاز کیا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ نے جنگ میں پہل نہیں کی بلکہ وہ اس (جنگ) میں پہل کرنے سے کراہت رکھتے تھے۔

□□□

۴۹

کیا امام حسینؑ نے (اپنے جد کی) امت کے گناہوں کی بخشش کی خاطر شہادت پائی؟

بہت سے لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ امامؑ نے شہادت کو اس بنا پر گلے لگا لیا تاکہ (ان کے جد کے) امتیوں کے گناہ بخش دیے جائیں اور ان کی شہادت واقع ہونے کے بعد مسلمان یا ان کے شیعہ چاہے کسی بھی گناہ کے مرتکب ہوں مگر عذاب الٰہی کے سزاوار نہ قرار پائیں۔ چنانچہ امام حسینؑ گناہ گاروں کی شفاعت کے مدنظر شہادت کے مقام پر فائز ہیں۔

اس قسم کا طرز فکر، مسیحیوں کے نظریہ فکر کی مانند ہے کہ جس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ اس لیے پھانسی چڑھے تاکہ اس کے امتیوں کو گناہوں کی بخشش دلوائی جا سکے اور وہ روز قیامت امتیوں کے شفیع بن سکیں۔ درحقیقت اس نظریہ فکر کے حامل افراد امام حسینؑ اور ان کے جانثارانہ قیام کے حق میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ افراد جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نماز نہ پڑھیں، روزہ نہ رکھیں یا پھر دیگر اعمال حرام کے مرتکب ہو جائیں تو بھی ہم قابل مواخذہ قرار نہ پائیں گے کیونکہ ہم امام حسینؑ کے مرید ہیں۔ یہ طرز فکر بالکل عین خلاف ہے ان اہداف کے جو امام حسینؑ نے اپنے قیام کی بنیاد قرار دیئے تھے۔

چونکہ امامؑ نے قیام کیا تاکہ لوگ (امتی) پہلے سے بھی زیادہ خدا ترسی کے حامل ہو جائیں اور گناہوں سے دوری اختیار کریں اور پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اپنے فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے پابند ہوں۔ امام حسینؑ نے قیام فرمایا تاکہ گناہ و منکرات کے تانے بانے، بے عدلی اور محرمات (حرام) امت مسلمہ سے برخواست ہو جائیں۔ امامؑ نے اس لیے قیام نہیں کیا تھا کہ کوئی (امتی) گناہ کرنا چاہے تو بالکل آزادانہ حیثیت سے کر سکے اور کہہ سکے کہ چونکہ میں حسینؑ کا مرید ہوں اور وہ روز قیامت میرے شفیع ہوں گے۔ (اس لیے اب میں ہر گناہ کا ارتکاب کرنے میں حسینؑ سے آزادی و شفاعت کے سرٹیفکیٹ کا حامل ہوں۔۔۔ مترجم)

حسینؑ نے ایسا کوئی سرٹیفکیٹ نہیں جاری کیا بلکہ نماز، روزہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی (پابندی و پاسداری کی) خاطر قیام فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ روز عاشور خود کو اس وقت تک حاضر نہ کیا کہ جب تک نماز کو انجام نہ دے دیا۔

شہید مرتضیٰ مطہری عاشورہ کے معنوی تحریفات سے متعلق بحث میں فرماتے ہیں کہ "اس قسم کے گمان میں ایک قسم کی سطحی فکر کارفرما ہے کہ جو ہمارے درمیان رائج ہو گئی ہے۔ یہی فکر ہے جو امام حسینؑ کے اہداف قیام کو مکمل طور پر مسخ کر رہی ہے اور انھیں گناہگاروں کے مورچہ کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ اور یہی فکر ان کے قیام کو دوسروں کے اعمال بد کے لیے کفارہ سے تعبیر کرتی ہے کہ حسینؑ اسی لیے قتل ہونے پر آمادہ ہو گئے تھے کہ گناہگار عذاب الٰہی سے مبرا ہو جائیں۔ (حماسہ حسینی از مطہری، جلد سوم، ص ۲۵۶)

□□□

۵۰

کربلا کے میدان جنگ میں کتنے شہداء اہل بیت حسینؑ میں سے تھے؟

تاریخی اعتبار سے سترہ افراد (ماسوائے امام حسینؑ) اہل بیت حسینؑ میں سے تھے جو کربلا کے میدانِ جنگ میں وارد ہوئے اور شہادت سے ہم کنار ہوئے تھے۔

①.....امام حسینؑ کے دو فرزند کہ جن کے نام علی اکبرؑ اور علی اصغرؑ مشہور ہیں اور زیارات میں بنام علی و عبداللہ مذکور ہیں۔

②.....امام حسینؑ کے بھائی امام حسنؑ کے تین فرزند کہ ان کے نام یہ ہیں:
① قاسم بن حسن مجتبیٰ ② عبداللہ بن حسن مجتبیٰ ③ ابوبکر بن حسن مجتبیٰ۔

③.....امام حسینؑ کے (پانچ) بھائی: ① عباس بن علی ② عبداللہ بن علی ③ جعفر بن علی ④ عثمان بن علی اور ⑤ محمد بن علی تھے۔

④..... حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے دو فرزند بنام ① عون و ② محمد۔

⑤.....اولاد حضرت عقیلؑ سے پانچ افراد جن میں، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، محمد بن مسلم بن عقیل، جعفر بن عقیل، عبدالرحمن بن عقیل، محمد بن ابی سعید بن عقیل شامل تھے۔ (منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۲۰۰)

□□□

۵۱

سپاہِ امامؑ سے پہلا شخص کون تھا جو وارِ دمیدانِ جنگ ہوا تھا؟

روزِ عاشور عمر سعد نے پہلا تیر امامؑ کے ساتھیوں کی جانب پھینکا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ میں نے سب سے پہلے کاروانِ حسینؑ پر تیر چلانے میں جلدی دکھائی اور تم جب کوفہ جاؤ گے تو اس بات کی شہادت ابن زیاد کے سامنے دینا کہ میں نے حسینؑ بن علیؑ پر پہلا تیر برسایا تھا۔ ①

اس کے بعد سپاہِ عمر سعد میں سے جو شخص سب سے پہلے میدانِ جنگ میں وارد ہوا وہ "یسار" عبیداللہ ابن زیاد کا غلام تھا۔ (منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۳۵۲)

اس کے مقابل سپاہِ امام حسینؑ سے جو پہلا شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اذنِ جہاد طلب کیا وہ عبداللہ بن عمیر کلبی تھے کہ جن کی زوجہ اور والدہ بھی کربلا میں حاضر تھیں۔

---

① عمر بن سعد نے یہ عمل اس لیے انجام دیا تا کہ وہ اس گمان کو دور کر سکے کہ وہ حسینؑ کے طرفداروں میں سے ہے گرچہ ظاہراً اسے اس گمان میں نہیں لایا گیا تھا مگر ابن زیاد کو احساس تھا کہ عمر سعد حسینؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے شمر ذی الجوشن کو کربلا بھیجا تھا اور اس بات پر مامور کیا تھا کہ اگر عمر سعد حسینؑ سے جنگ میں احتراز کرے تو اسے سالاری کے منصب سے معزول کر دیا جائے اور خود اس کی جگہ سالاری کے فرائض سنبھال لے (از مقام حسین در ایران۔ ص ۳۱۸)

عبداللہ "یسار" کے مقابلے میں آئے اور یہ رجز پڑھ کر ابتدا کی: "میں عبداللہ بن عمیر کلبی ہوں اور میرا قبیلہ پوری دنیا میں مشہور ہے اور میرے افتخار کے لیے یہی بات کافی ہے کہ میرے اجداد میں سے کوئی بھی کسی بیماری کے اثر سے فوت نہیں ہوا بلکہ یہ تمام جنگوں میں مارے گئے ہیں اور میں بھی اس راستے پر چل رہا ہوں کہ جسے انھوں نے اپنایا تھا"۔

اس کے بعد حملے کا آغاز کیا اور اپنی تلوار کو یسار کے چہرے پر یوں مارا کہ وہ زین سے زمین پر آ گرا۔ عبداللہ کا ایک اور غلام "سالم" اس کی مدد کو دوڑا اور آتے ہی عبداللہ سے اُلجھ گیا، عبداللہ نے اسے بھی واصلِ جہنم کر ڈالا۔ پس سپاہ حسینؑ سے میدانِ جنگ میں وارد ہونے والا پہلا شخص عبداللہ بن عمیر کلبی تھا۔ (منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۳۵۴، از امام حسینؑ اور ایران، ص ۳۳۲-۳۱۳)

□□□

۵۴

خاندانِ بنی ہاشم میں سے پہلا شہید کون تھا؟

متواتر روایات میں آیا ہے کہ امام حسینؑ کے دوستوں کی شہادت کے بعد نوبت بنی ہاشم کے افراد پر آ پہنچی۔ انھوں نے چاروں جانب نگاہ ڈالی اور اپنے علاوہ کسی کو بھی ناصر و مددگار نہ پایا۔

محدث قمی شیخ مفید سے نقل کرتے ہیں، سید ابن طاؤس، طبری، ابن اثیر اور ابوالفرج روایت کرتے ہیں: "وہ پہلے شخص کہ جنھوں نے خاندانِ بنی ہاشم کے درمیان شہادت کے لیے کمر باندھی اور امام سے اذنِ جہاد طلب کیا وہ امام کے جگر گوشہ حضرت علی اکبرؑ تھے کہ زیارت ناحیہ مقدسہ اس بات کی تصدیق کرتی ہے"۔ زیارت میں اس جوان کو بہادری اور دلیری کے عنوان سے یاد کیا گیا:

السَّلامُ عَلَيكَ يَا اَوَّلَ قَتيل من نسل خير سليل من سلالة ابراهيم الخليل، صلى الله عليك و على ابيك

(منتہی الآمال، جلد اول، ص ۳۸۵)

اس بارے میں کہ حضرت علی اکبرؑ کی عمر کتنی تھی اور آپ ان کی زوجہ اور اولاد وغیرہ تھی، روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ جو کچھ تاریخ سے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی اکبر سن ۳۳ ہجری میں دورانِ خلافت حضرت عثمان پیدا ہوئے تھے اور سن ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے تو اس حساب سے تقریباً چھبیس سال کا سن تھا۔ اسی

بنا پر امکان غالب ہے کہ وہ بال بچے رکھتے ہوں، کیونکہ حضرت امام سجادؑ جو حضرت علی اکبرؑ سے چھوٹے تھے وہ اس وقت بچوں والے تھے۔ علاوہ ازیں یہ کہ زیارت نامہ درج ذیل جملوں سے جن میں یہ عنوان بیان ہوا ہے، استفادہ کیا جا سکتا ہے:

صلی اللہ علیک و علی عترتک و اھل بیتک و آبائک وابنائک

■■■

۵۳

کیا حضرت علی اکبرؑ، امام سجادؑ سے بڑے تھے؟

کیا علی اکبرؑ حضرت امام سجاد علیہ السلام (فرزند حسینؑ) سے عمر کے حساب سے بڑے تھے اس کے متعلق دو اقوال سامنے آتے ہیں:

پہلا گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کا سن امام سجاد علیہ السلام سے چھوٹا تھا، جیسے کہ: "شیخ مفید امام سجاد علیہ السلام کو حضرت علی اکبرؑ سے اور علی اکبرؑ کو علی اصغرؑ سے بڑا قرار دیتے ہیں"۔۔۔ لہٰذا جو لوگ حضرت علی اکبرؑ کا سن روز عاشور کو سترہ، اٹھارہ یا انیس سال قرار دیتے ہیں وہ اسی نظریہ سے مطابقت رکھتے ہیں۔

دوسرا گروہ یہ نظریہ رکھتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کا سن امام سجاد علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ مرحوم محدث قمی تاریخ ولادت امام سجادؑ سے متعلق فرماتے ہیں: "قول قوی یہ ہے کہ ولادت امام سجاد علیہ السلام بماہ جمادی الاول بمطابق سن ۳۶ ہجری واقع ہوئی"۔

قوی قول (دیگر) یہ ہے کہ "ولادت امام سجاد بتاریخ پندرہ جمادی الاول سن ۳۸ ہجری واقع ہوئی"۔ "آیت اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی کے نزدیک حضرت علی اکبرؑ اپنے سن کے اعتبار سے امام سجادؑ سے بڑے ہیں"۔ اور ہماری نظر میں بھی حضرت علی اکبرؑ، امام سجاد علیہ السلام سے بڑے تھے۔

چونکہ حضرت علی اکبرؑ کی ولادت دوران خلافت حضرت عثمان واقع ہوئی اور اسی اعتبار سے واقعہ کربلا کے وقت ان کا سن ۲۵ یا ۲۶ برس کا تھا کہ جس کے تحت وہ امام سجاد علیہ السلام سے دو یا تین سال بڑے تھے۔

□□□

۵۴

کیا حضرت قاسم بن حسنؑ امام حسینؑ کے داماد بنے؟

جو کچھ بھی تاریخ اور روایات کے ذریعے سے نمایاں ہوتا ہے اور مشہور بھی ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے تین بیٹے کہ جن کے نام قاسم، عبداللہ اور ابوبکر تھے، یہ تینوں کربلا میں موجود تھے اور شہید بھی ہوئے تھے۔ امام حسنؑ کے ایک اور فرزند کہ جن کا نام حسن بن حسن (حسن مثنیٰ) تھا، یہ کربلا میں صرف زخمی ہوئے اور بعد ازاں علاج معالجہ سے شفایاب ہوئے اور زندگی پائی۔ البتہ حضرت قاسم بن حسنؑ کی شادی اور امام حسینؑ کی دامادی کے بارے میں کچھ بھی مشخص و معلوم نہیں ہوتا اور یہ معاملہ تاریخ نویسوں کے لیے اختلاف اور باعث تردید قرار پاتا ہے۔

چونکہ قاسم بن حسنؑ واقعہ کربلا تک سن بلوغت تک نہ پہنچے تھے اور جو روایات ان سے متعلق معروف ہیں ان کے مطابق وہ "غلام صغیر" کہلاتے ہیں کہ جس کا اطلاق نابالغ بچے پر ہوتا ہے۔ مقتل ابی مخنف میں ذکر ہوا ہے کہ "قاسم بن حسنؑ" کا سن کربلا میں چودہ سالہ تھا۔ (حیات الشوارح، ص ۲۶۶)

محدث قمی نفس المہموم در باب شرح زندگانی قاسم بن حسن میں فرماتے ہیں:

"خواستگاری کا جو واقعہ عاشورا کی تواریخ میں مذکور ہے وہ حسن بن حسنؑ سے منسوب ہے کہ جنہوں نے مدینہ سے خروج یا پھر مدینہ سے کربلا کے سفر کے دوران امامؑ کی دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کا رشتہ طلب کیا اور یہ واقعہ اشتباہاً قاسم بن حسن کی شادی کا

رقم ہو گیا"۔(دمع النجوم، ترجمہ نفس المہموم، ص ۱۷۱)

محدث قمی منتہی الآمال میں ذکر کرتے ہیں کہ کربلا میں حضرت قاسم کا امام حسینؑ کی دامادی میں آنے کا قصہ صحت نہیں رکھتا اور کتب معتبرہ اس کی تائید نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ امام حسینؑ کی دو دختران اس وقت موجود تھیں کہ ایک کا نام سکینہ تھا جس کے متعلق شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ سید الشہداؑ نے سکینہ کو عبداللہ بن حسن کے عقد میں دیا تھا اور اس سے قبل کہ رخصتی ہوتی، عبداللہ شہید ہوئے اور دوسری بیٹی فاطمہ کہ جو حسن مثنیٰ کی زوجہ تھیں جو کہ دونوں کربلا میں موجود تھے۔

محدث نوری کی کتاب "لولو مرجان" کے حوالے سے نقل فرماتے ہوئے محدث قمی آگے لکھتے ہیں: "حضرت امام حسینؑ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی کوئی بھی بیٹی ایسی پیدا ہوئی ہو کہ جو قابل عقد ہو لیکن بے شوہر رہی ہو۔(منتہی الآمال، جلد اوّل، ص ۳۸۰)

لہٰذا اسی حوالے سے حسن بن مثنیٰ کا عقد امام حسینؑ کی دو بیٹیوں میں سے کسی ایک (فاطمہ) سے کیا گیا اور یہ ایامی ایام میں وقوع پذیر ہوا کہ جب امام یا تو حالت خروج میں یا دوران سفر مدینہ تا کربلا میں تھے۔ اور متعدد تاریخ نویسوں اور اسکالروں نے واقعات کربلا کی روشنی میں قاسم بن حسن کی شادی کی داستان کو واقعی مانتے ہوئے اس سے انکار کیا ہے۔

علامہ شہید مطہری فرماتے ہیں: "کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسی مقام پر اپنی بیٹی کو اپنے بھائی کے بیٹے کے عقد میں دوں اور پھر شادی اسی مقام پر انجام پائی"۔ اور بہت سی چیزوں میں سے ایک یہ کہ جو ہمارے قدیمی مرثیوں اور تعزیوں سے الگ نہیں ہوئی وہ قاسم نوجوانا تھا، یعنی تازہ داماد تھے (پر نوحہ زن ہونا ہے) اگرچہ یہ بات اس طرح سے تاریخ کی متعدد معتبر کتب میں سے کسی ایک میں

کبھی درج نہیں ہوئی۔ حالی (محدث) نوری کا کہنا ہے کہ ملا حسین کاشفی نام کا پہلا شخص ہے کہ جس نے اس مظلوم کو روضۃ الشہدا نامی کتاب میں درج کیا اور دراصل یہ واقعہ سو فیصد من گھڑت اور جھوٹا ہے"۔ بقول شاعر:

بس کہ بستند بر او ہر د ساز
گرتو بینی نشناسش باز

"جبکہ ایک دفعہ (اصل صورت) پر ایسے خدوخال چڑھا دیے گئے ہیں کہ اگر تم دیکھ لو (یعنی اصل حقیقت) تو بھی اس اصل صورت تک دوبارہ نہ پہنچ سکو"۔

□□□

۵۵

کیا جناب لیلیٰ مادرِ حضرت علی اکبرؑ، کربلا میں موجود تھیں؟

اس سے متعلق کہ جناب لیلیٰ مادر علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں، اطلاعات سامنے نہیں آتی ہیں بلکہ جناب لیلیٰ کا اس وقت زندہ ہونا بھی کہیں سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ قاتل علی اکبرؑ کے بیان کی روشنی میں کہ جو کہتا ہے:

حتی آثام العرب ان لم اثکل آباءابه

"تمام اہل عرب کے گناہوں کا بوجھ میری گردن پر آجائے اگر میں نے اس (علی اکبرؑ) کے باپ کو اس کے مرنے کا زخم نہ دیا"۔

یہ بات سامنے آتی ہے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود نہیں بلکہ وہ اس وقت زندہ بھی نہ تھیں کیونکہ عرف عام میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں اس کے سوگ میں بیٹھے جبکہ قاتل علی اکبرؑ نے صرف ان کے والد کا نام لیا تھا۔

علامہ شہید مرتضیٰ مطہری کربلا میں جناب لیلیٰ کی موجودگی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واقعات کربلا سے متعلق تحریفات کی ایک دوسری مثال کہ جو ایک بہت مشہور واقعہ کی صورت میں بیان کی گئی ہے لیکن اس کی صداقت پر کوئی ایک تاریخی کتاب بھی گواہی نہیں دیتی، وہ جناب لیلیٰ مادر علی اکبرؑ سے منسوب داستان ہے۔ البتہ یہ ہے کہ

(علی اکبرؑ) کی والدہ لیلیٰ نامی خاتون تھیں لیکن کسی ایک مورخ نے بھی یہ بیان نہیں دیا کہ وہ کربلا میں موجود تھیں"۔ (حماسہ حسینی، جلد اول، ص ۲۵)

محدث قمی فرماتے ہیں کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود نہ تھیں اور میں نے معتبر کتب میں ان کے موجود ہونے کو نہیں پایا ہے۔ (منتہی الآمال، جلد اول، ص ۳۷۶)

اسی سبب امام حسینؑ کی ازواج میں سے فقط ایک اس سفر میں امام حسینؑ کے ساتھ تھیں اور ان کا نام رباب بنت امراء القیس تھا اور تاریخ عاشورا میں ان کا نام اور ذکر مادر علی اکبرؑ کے طور میں نہیں لیا گیا ہے۔

□□□

۵۲

کیا امام محمد باقر علیہ السلام روز عاشورا کربلا میں موجود تھے؟

بدی کی تاریخ عاشورا کے حوالے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام باقرؑ اپنے والد حضرت امام سجادؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اور ان کا سن مبارک اس وقت چار برس تھا کیونکہ امام باقر علیہ السلام سن ستاون ہجری میں متولد ہوئے اور واقعہ کربلا اکسٹھ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔

محدث قمی روایت کرتے ہیں: امام باقر علیہ السلام واقعہ کربلا میں موجود تھے اور اس وقت چار سال کا سن رکھتے تھے"۔ (منتہی الآمال، جلد دوم، ص ۸۶)

منتخب التواریخ میں مذکور ہے کہ روز عاشور امام سجادؑ کا سن بائیس برس اور امام باقرؑ کا سن چار برس تھا اور یہ دونوں کربلا میں موجود تھے اور حق تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا تھا۔ (منتخب التواریخ، ص ۲۹۷)

□□□

۵۷

کربلا میں اجسادِ شہداء کی تدفین کن لوگوں کے ذریعے انجام پائی؟

جس وقت کہ عمر سعد کربلا سے نکل چکا، تو قبیلہ بنی اسد جو کہ غاضریہ میں مقیم تھا اُن کی ایک جماعت کربلا میں پہنچی اور نمازِ میت کے بعد اجساد شہدا کو دفن کیا۔ اس اعتبار سے امام حسینؑ کو اس مقام پر کہ جو دورِ حاضر میں مشہور ہے، دفن کیا گیا اور ان کے فرزند علی اکبرؑ کو امامؑ کے قدموں کی جانب سپردِ خاک کیا گیا اور باقی شہداء کو (ماسوائے کچھ نامزد کردہ شہدا کے) جناب علی اکبرؑ کی قبر کے پائینتی مقام پر دفن کیا گیا۔ حضرت عباسؑ کو غاضریہ کے مقام پر کہ جہاں انھوں نے شہادت پائی تھی سپردِ خاک کر دیا گیا۔

احادیث صحیحہ کی روشنی میں امام کو سوائے امامؑ کے غسل و کفن، دفن کے اُمور کوئی دیگر انجام نہیں دے سکتا اس لیے روایت ملتی ہے کہ اگرچہ ظاہری صورت حال کے مطابق بنی اسد نے جناب سید الشہدا کی تدفین کی مگر دراصل امام سجادؑ آئے اور انھوں نے امام حسینؑ کی تدفین کو انجام دیا تھا۔ امام رضاؑ نے بھی اس بات پر تصریح فرمائی ہے۔ (منتہی الآمال، جلد اول، ص ۴۰۵-۴۰۶)

□□□

۵۸

شہدائے کربلا کے سروں کو کہاں دفن کیا گیا تھا؟

گیارہ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری، تمام شہداء کربلا کے سرہائے مبارکہ جو کہ تقریباً ستر سر تھے، ان کو ان کے اجسام سے جدا کر دیا گیا اور شمر، عمرو بن حجاج، خولی اور حمید بن مسلم کے ذریعے کوفہ کی جانب بھجوا دیا گیا۔ ابن زیاد نے ان سروں کو امام سجادؑ اور دوسرے اسیروں کے ساتھ شمر (لعین) اور دیگر افراد کی نگرانی میں شام کی جانب یزید کے پاس بھیج دیئے۔ ①

شہدا کربلا کے سرہائے مبارکہ کے جائے مدفن کے حوالے سے پانچ اقوال ملتے ہیں۔

① سر مبارک ابا عبداللہ الحسینؑ کو یزید نے عمرو بن سعد کے لیے روانہ کیا تا کہ وہ انہیں ان کی والدہ حضرت فاطمہؑ کے نزدیک بقیع میں دفن کر دے۔

② ان مبارک سروں کو تین دن تک دمشق میں لٹکایا گیا اور بعد ازاں ان کو بنی امیہ کے خزانے میں لٹکایا گیا یہاں تک کہ سلیمان بن عبدالملک بن مروان کا زمانہ خلافت آ پہنچا اور اس نے بعد ازاں ان سروں کو شام میں باب فرادیس کے مقام پر دفن کروا دیا۔

---

① حضرت علی اصغرؑ، عمر بن یزید ریاحی کے سر کے علاوہ جن کے جسم کو ان کا قبیلہ شہدا میں سے نکال کر لے گیا تھا۔ (منتخب التواریخ، ص ۲۷۳)

④ سر مبارک امام حسینؑ کو ان کے والد کی قبر کے بالائی (سرہانے) مقام پر نجف اشرف میں دفن کیا گیا۔ اسی لیے اس سر مبارک کی زیارت امام علیؑ کی قبر کے بالائی مقام پر پڑھنا مستحب ہے۔

⑤ امام سجادؑ اس سر مبارک کو اپنے ساتھ کربلا لائے اور اسے ان کی قبر میں بدن کے ساتھ رکھ دیا اور یہی روایت علمائے شیعہ کے نزدیک درست ہے۔ (منتہی الآمال جلد اول، ص ۳۴۴، منتخب التواریخ ص ۳۳۸)

دیگر شہدائے کربلا سے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ امام سجادؑ نے تمام شہدا کے سروں کو یزید سے واپس حاصل کیا اور انھیں ان کے اجسام کے ساتھ دفن کر دیا تھا۔

⑥ دیگر شہدا کے سروں کو شام کے قبرستان میں دفن کیا گیا کہ جو اس وقت ارض شام کے قبرستان میں قبہ عالیہ ہے اور شہدا اطہار کے شیعہ ان کی زیارت کی غرض سے جاتے ہیں۔ (منہاج الدموع، ص ۴۰۳)

□□□

کیا امامؑ کے ساتھیوں میں سے کوئی زندہ باقی بچا تھا؟

جو کچھ تاریخ کی کتب کے حوالے سے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ کے اصحاب و ہمراہیوں میں سے فقط آٹھ افراد زندہ بچے تھے۔

عقبہ بن سلمان: یہ رباب بنت امرأ القیس کے غلام تھے۔ اس کو قید کر کے عمر بن سعد کے پاس لے جایا گیا۔ جب عمر سعد نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا "غلام ہوں"۔ عمر سعد نے اسے آزاد کر دیا۔

مرقع بن قامہ: اسے بھی قیدی بنایا گیا مگر اس کے قبیلے نے عمر سعد سے اس کی امان حاصل کی اور عبید اللہ ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ وہاں عمر سعد نے اس کا قصہ بیان کیا۔ اس پر ابن زیاد نے اس کو بحرین جلاوطن کر دیا اور اس نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔

مسلم بن ریاح: یہ بھی امامؑ کے ہم سفروں میں سے تھا اور امام کی مرہمی کرتا تھا۔ امام کی شہادت کے بعد یہ جنگ میں زندہ بچ گیا تھا اور کربلا سے فرار ہو گیا تھا۔ یہ ان افراد میں سے ہے کہ جنہوں نے واقعاتِ کربلا سے متعلق روایات نقل کی ہیں۔

حسن بن حسنؑ: یہ حسن مثنیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ روز عاشور (کربلا) میں زخمی اور گھائل پڑے رہے۔ اسماء بنت خارجہ فزاری جو کہ عمر سعد کے لشکر کے ساتھ آئی تھیں اور ان کے ساتھ رشتہ داری رکھتی تھیں۔ ان کی وساطت سے حسن مثنیٰ کو قتل نہ کیا

گیا اور ان کو کوفہ لا کر علاج معالجہ کیا گیا اور صحت یابی کے بعد ان کو مدینہ واپس بھیج دیا گیا

عمر بن حسن، قاسم بن عبداللہ، عمر بن علی، زید بن حسن وغیرہ کے بارے میں قول ہے کہ یہ افراد کربلا کی تاریخ میں شامل تھے لیکن زندہ رہے اور ان کو شہادت نہ حاصل ہوئی۔

□□□

۶۰

عمر بن سعد کربلا میں کن کن گناہوں کا مرتکب ہوا؟

اس لعین کے چند لرزہ خیز مظالم درج ذیل ہیں:

① — پانی کی بندش، یہاں تک کہ بچوں پر بھی۔

② ..... چھوٹے بچوں کو ان کے پیاروں کے سامنے قتل کرنا۔

③ ..... امام حسینؑ کے بدن کو برہنہ کرنا تاکہ امامؑ کے لباس کو حاصل کرنے کی خواہش کو پورا کر سکے۔

④ ..... خواتین کے پہنے ہوئے زیورات کا اتارنا۔

⑤ — اس قلیل گروہ پر سنگ باری اور تیر اندازی کرنا۔

⑥ ..... امامؑ کے سر کو گھوڑے کی گردن میں لٹکانا۔

⑦ ..... امام حسینؑ اور ان کے اصحاب پر سب و لعن کرنا۔

⑧ ..... امامؑ کے بدن کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرنا۔

⑨ ..... اسیروں پر ظلم و ستم کرنا، ضربیں لگانا اور ان کو بے کجاوہ سواریوں (اونٹوں) پر بٹھانا۔

⑩ ..... امام سجادؑ کو طوق اور بیڑیاں پہنانا جب کہ وہ بیمار تھے۔

⑪ ..... اسیروں کو ان کے شہداء کے سر دکھاتے لے جانا۔

⑫ ..... امامؑ کے لب و دندان مبارک کے ساتھ گستاخی کا ارتکاب کرنا۔

۱۴..... عورتوں کو کربلا میں قتل کرنا (والدہ وہب کو)۔

۱۵..... اسیروں کو شہداء کی مقتلوں پر سے گزارنا۔

۱۶..... خیام کو نذر آتش کرنا۔

۱۷..... اسیروں کو خوراک نہ دینا اور خصوصاً بچوں کو بھوکا رکھنا۔ (حماسہ حسینی: جلد سوم، ص ۱۶۷)

□□□

[61]

دورانِ اسیری اہلِ بیتؑ کی تبلیغ کی نوعیت کیا تھی؟

اسیرانِ اہلِ بیتؑ نے اپنی تبلیغات کا آغاز اور یزید کے جرائم کا پردہ فاش کرنے کا آغاز جو کربلا سے شروع کیا تو اسے مدینہ پہنچنے پر ختم کیا۔ نہایت کمالِ حکمت اور بلند روحانی اقدار کے ساتھ ان تمام بنیادیات اور حقائق و واقعاتِ کربلا کو عوام (جو ان اسیروں کو خارجی اور شکست خوردہ سمجھ رہے تھے) کے سامنے عیاں کر دیا۔

امام حسینؑ کو شہید کر کے یزید جو نتائج اور اہداف حاصل کرنے کا خواہش مند تھا نتیجہ ان کے برعکس نکلا اور وہ اہداف حاصل نہ ہوئے۔ اہلِ بیتؑ کی اسیری اور شہدا کے اجساد کی بے حرمتی کے باعث وہ ایک اور بڑی غلطی کا مرتکب ہوا کہ جس کے غبار نے سب سے پہلے خود اس کی آنکھوں کو آلیا۔ چونکہ اہلِ بیت اطہارؑ نے کوفہ، بازارِ کوفہ، شام، جامع مسجد دمشق، دربارِ یزید اور مدینہ پہنچ کر لوگوں کو واقعاتِ عاشورہ سے متعلق حقائق کو اپنے خطبات میں اس طرح آشکار کیا کہ لوگوں نے محسوس کیا کہ گویا وہ خود اس واقعہ میں شریک تھے۔ امام حسینؑ کے اہلِ بیتؑ نے اپنی اسیری کے دوران وہ کام کر دکھایا کہ جس کے باعث واقعاتِ عاشورہ میں (قاتلوں) کو ورد بدل کی گنجائش نہ مل سکی اور نہ ہی ان کی بحال ہوئی کہ وہ اس واقعہ کو اپنی حمایت اور مفاد میں استعمال کرنے کے لیے تاریخ میں ثبت کر سکتے۔

تاریخ نے حضرت زینب عالیہ اور امام سجادؑ کے خطباتِ کوفہ اور شام کو اپنے اندر

محفوظ کرلیا ہے جن کی وجہ سے ایک قلیل مدت میں لوگوں کے یزید سے متعلق خیالات بدل گئے۔ جس وقت امام سجادؑ نے پہلا خطبہ کوفہ میں بیان کیا تو لوگ ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے لگے کیوں فرزند رسولؐ کی نصرت نہیں کی اور کیوں وہ بلند مراتب کے حصول میں شریک نہ ہوئے۔ امام سجادؑ نے اپنے اس مختصر سے خطبے کے ذریعے اہل کوفہ کے درمیان ایسے انقلاب کو برپا کردیا کہ وہ سب کے سب اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور توبہ طلب کی۔ آپؑ نے شام میں نماز جمعہ کے خطبے میں ایسے دل سوز جملے ارشاد فرمائے کہ جنھوں نے ہر سننے والے کے قلب کو لرزا کر رکھ دیا۔ امامؑ نے خطبات کے ذریعے اہل شام کو حادثۂ کربلا کی تمام حقیقی صورت حال سے آگاہ کر کے ایک قسم کی عمومی نفرت و تغیر کو اُن کے دلوں میں یزید کے خلاف بیدار کردیا۔

حضرت زینب عالیہؑ نے کوفہ میں اپنے ایسے شعلہ بیان اور جھنجوڑ دینے والے جملے ارشاد فرمائے۔ اپنے ان ملکوتی کلمات کے ذریعے کربلا کے تلخ ترین حقائق سے اس طرح پردہ اُتار پھینکا کہ بنی اُمیہ کی حکومت کا ہاتھ پھر اس قابل نہ ہوسکا کہ ان حقائق میں تحریفات کرسکے۔ امیرؑ کی دختر نے اس خطبہ میں آل سفیان کی حکومت کو اس طرح ذلیل و رسوا کیا اور لوگوں کو ان گناہوں کی شدت کے متعلق خبردار کردیا کہ جن کو حکومت ابن زیاد نے انہی (عوام) کے ہاتھوں انجام دلوایا تھا۔ شریکۃ الحسینؑ نے اپنے اسی جاں سوز اور لہو گرما دینے والے خطبے میں کوفہ کے مردہ دل عوام میں بیداری و آگاہی کو اس طرح سے پیدا کردیا کہ ان کے دلوں میں حکومت بنی اُمیہ کے لیے ایسا تغیر و غضب پیدا ہوگیا، جس نے بعد میں اس نعرہ "یا ثارات الحسینؑ" کی اور اس انقلاب خیز کی بنیاد رکھی کہ جس نے قاتلوں سے شہدائے کربلا کے خون کا انتقام لیا۔

بھائی کے غم کی ماری بہن نے اہل کوفہ کو اپنے غم سے ایسا متاثر و نڈھال کیا کہ بعض افراد نے مارے ندامت کے اپنی انگلیوں کو دانتوں میں دبالیا۔ زہراؑ کی بیٹی نے

دربارِ شام میں اپنے شعلہ نوا خطبہ کے ذریعے حکومت یزید کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا اور بنی اُمیہ کی حکومت کے بیکر پر اسی کے دربار میں کھڑے ہو کر ایک عظیم ضرب لگائی۔ سیدالشہداؑ کے اہلِ بیتؑ نے اپنی اسیری کے دوران جن اہم اُمور کو انجام دیا ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

① انھوں نے اپنی اسیری کی طویل مدت میں یہ کوشش کی کہ واقعۂ کربلا کے اصل حقائق کو اہلِ کوفہ و شام اور مدینہ تک پہنچا دیئے جائیں تاکہ (دشمن) اس میں تحریفات کرنے کے قابل نہ رہے۔

② حکومت بنی اُمیہ کے اصل چہرے کو بے نقاب کیا اور اس کے گناہوں اور جرائم سے لوگوں کو آگاہ کر دیا۔

③ اہلِ کوفہ، شام اور مدینہ کو حکومت یزید کا مخالف بنا دیا اور ایک قسم کی عوامی نفرت اور بے چینی کی کیفیت کو بیدار کیا۔

④ اہلِ کوفہ و شام کو اپنے کیے پر ایسا نادم و پشیمان کر دیا کہ جو بغض اور نفرت اہلِ کوفہ و شام کے دلوں میں آلِ عصمت و اطہار کے لیے تھی وہ محبت اور ہمدردی میں تبدیل ہو گئی۔

⑤ کربلا کے فداکار قیادت کی ذمہ داری کو بخوبی نبھائی اور یہاں تک کہ اسے مدینہ پہنچنے تک انجام دیتے رہے۔

□□□

۲۲

زینبؑ عالیہ نے دوران اسیری کن مقامات پر خطبات ارشاد فرمائے؟

مقام اول: کوفہ

جس وقت اسیران کو کوفہ میں داخل کیا جا رہا تھا تو لوگ ان کا تماشا دیکھنے کے لیے سڑکوں، گلیوں میں بھرے پڑے تھے۔ لیکن زیاد نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ ان شہداؑ کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے ان کے اسیروں کے آگے آگے لے کر چلا جائے۔ امام سجادؑ شدید بیماری کی حالت میں مبتلا تھے اور ان کے پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جس وقت کہ اسیروں کا یہ کارواں مسجد کوفہ کے سامنے پہنچا، حضرت زینبؑ نے کارواں کو رکنے کا حکم دیا۔ زینبؑ عالیہ اس بڑے اجتماع کو دیکھ کر یہ ارادہ کر چکی تھیں کہ اس اچھے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور حادثہ کربلا کے دردناک حالات کو اپنے شعلہ نوا خطبہ میں بیان کرنا چاہیے۔ اس فرزہ خاتون نے ایک بار خاموش ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

الحمدلله والصلوٰة على ابي محمد و آله الطيبين الاخيار: اما بعد يا اهل الكوفه ، يا اهل الختل والغدر أتبكون؟ فلا رقأت الدَّمعة ، ولا هدئت الرنة

انما مثلكم كمثل التي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا ، تتخذون ايمانكم دخلاً بينكم، ألا وهل فيكم الا الصلف والنطف وملق الاماء وخمز الاماء او كمرعى دمن دمنة ، او كفضة على ملحودة الا بئس ما قدمت لكم انفسكم ان سخط الله وفي العذاب انتم خالدون: اي اجل والله فابكوا افانكم والله احق بالبكاء فابكوا كثيراً واضحكوا قليلا فلق ذهبتم بعارها وشنارها ولن ترحضونا ابداً وانى ترحضون قتل سليل خاتم النبوة و مسنت الرسالة وسيد شباب اهل الجنة وملاذ حربكم و معاد حزبكم و مقرسلمكم و آسن كلمكم و مفزع نازلتكم والموجع اليه عند مقالتكم و مدرة حجبكم ومنارة محجتكم الا بئس ما قدمت لكم و بئس ما تزدرون ليوم بعثكم:

فتعسا تعسا ونكسا نكسا لقد خاب السعي و تبت الا يدي و خسرت الصفقة و بوتم بغضب من الله و ضربت عليكم الذلة والمسكنة ، اتدرون ويلكم اى كبد لمحمد فريتم ؟ واى عهد نكثتم ؟ واى كريمة له أبرزتم؟ واى حرمة له هتكتم؟ واى دم لهسفكتم؟ لقد جئتم شيئاً ادا تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا: لقد جئتم بها صلعاء عنقاء سواء فقماء وفي بعضها خرقاء شوهاء: طلام الارض

والسماء افعجبتم ان قطرت السماء دما ولعذاب
الاخرة اخزیٰ وهم لا ینصرون فلا یستخفنکم المهل
فانه عزوجل لا یحفزه البدار ولا یخاف علیه فوت
الثار کلا ان ربکم لبالمرصاد (بحار الانوار، جلد
۴۵، ص ۱۰۹ اور منتہی الآمال جلد اول، ص ۳۱۰)

یہ خطبہ مختلف حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصے میں دردمادہ خاتون کربلا نے اپنا، دیگر اسیروں اور امام حسینؑ کا اہل کوفہ سے تعارف کروایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی نسبت کو اجاگر کیا تاکہ یہ بات اچھی طرح باور کرا دی جائے کہ ہم لوگ نہ تو گمنام ہیں اور نہ ہی ہمارا مرتبہ یا شہرت کم تر ہے۔ اور اسی بات کے ذریعے سے مخدومہ زینبؑ عالیہ نے لوگوں کی فکر و نظر کو تبدیل کیا تاکہ انھیں محض ایک قیدی کے عنوان سے نہ دیکھا جائے بلکہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے یاد کیا جائے۔ خطبے کے دوسرے حصے میں انھوں نے ان لوگوں کی بے وفائی کا ذکر کیا، جنھوں نے جناب امام حسینؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر توڑ ڈالی۔ آپ نے ان افراد کو قابل مذمت اور گناہگار قرار دیا۔

تیسرے حصے میں ان لوگوں سے خطاب کر کے خبردار کیا جن کا مستقبل اس باعث لازمی تاریک ہونا تھا کہ انھوں نے امام حسینؑ سے جنگ میں اس لیے شرکت اور بے وفائی کی تاکہ جاہ و منصب حاصل کر سکیں۔ اس خطبہ کا ردعمل اہل کوفہ میں اس طرح رونما ہوا کہ بعض افراد تو باعث ندامت اس حال میں تھے کہ اسیروں سے نظر نہ ملا سکتے تھے گویا کسی بھوت نے ان کو مبہوت کر دیا ہو اور اسی وجہ سے ان کی حالت یہ تھی کہ آنکھیں برستی جاتی تھیں.....

مقام دوم: دربار ابن زیاد

جس وقت ابن زیاد کو اسیروں کے کوفہ میں داخل ہونے کی اطلاع ملی تو اس

نے ایک پرشکوہ دربار تشکیل دیا، جس میں اشراف، امرا، رئوسا طبقات کے افراد شامل تھے تاکہ وہ اس طریقے سے اہل کوفہ پر اپنا رعب و دبدبہ دکھا سکے۔ اس نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور پھر شہدا کے سر اور اسیروں کو حاضر ہونے کا حکم سنایا۔ جس وقت علیؑ کی بیٹی دربار میں داخل ہوئیں تو انھوں نے اس (ابن زیاد) کی طرف توجہ نہ دی اور ایک کونہ میں جا بیٹھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ علیؑ کی بیٹی زینبؑ ہے۔ جناب زینبؑ کا یہ طریقہ کار ابن زیاد کو پسند نہ آیا۔ اس نے غصہ میں کہا: "حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے تم کو رسوا کیا اور تمہارے مردوں کو قتل کیا اور تمہارے جھوٹ کو ظاہر کیا"۔

سیدہؑ نے جواب میں فرمایا:

الحمد لله الذي اكرمنا نبية محمد (صلى الله عليه واله وسلم وطهرنا من الرجس تطهيراً انما يفتضح الفاسق ويكذب الفاجر وهو غيرنا

"حمد و ثنا ہے اس خدا کے لیے جس نے اپنے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے ہمیں محترم کیا اور ہمیں ہر قسم کے رجس و پلیدی سے پاک رکھا۔ (بس) فاسق رسوا اور جھوٹا ذلیل ہوا اور وہ ہم سے غیر ہے"۔

ابن زیاد پھر گویا ہوا:

كيف رايت صنع الله باخيك واهل بيتك

"تو نے کارِ الٰہی کو اپنے بھائی حسینؑ اور اس کی اہل بیتؑ کی نسبت کیسا پایا؟"

حضرت زینب عالیہؑ نے فرمایا:

ما رایت الا جمیلا ، هؤلاء قوم کتب الله علیهم القتل
فبرزوا الی مضاجعهم و یسجمع الله بینك و بینهم ،
فتتحاجون تتخاصمون عنده فانظر لمن الفلج یومئذ
ثکلتك امك یابن مرجانة

"میں نے خدا سے ماسوائے احسان (اچھائی) کے کچھ نہیں پایا۔
وہ گروہ کہ جس کے لیے خدا نے قتل ہونا لکھ دیا تھا اور ان لوگوں
(حسینؑ و اصحاب) نے اپنی مرضی سے اس جانب جلدی کی۔ لہٰذا
بہت جلد خدا ان کو اور تجھے اکٹھا کرے گا اور تو کٹہرے میں کھڑا کیا
جائے گا۔ بے شک اے ابن زیاد! تو اس عدالت میں پیش ہوگا۔
اس لیے تجھے چاہیے کہ تو اپنے اعمال کا جواب تیار کرلے۔ لیکن یہ
کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ تو اپنے اس عظیم گناہ کا جواب دے سکے؟
پس جان لے کہ تو اس روز کنگ و لاجواب ہوگا۔ (پس) اے
ابن مرجانہ! تیری ماں تیرے غم میں روئے"۔

جب یہ خطبہ ختم ہوا تو ابن زیاد کافی غضبناک ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے خود ہی کے قتل کا ارادہ کرلیا تھا۔ مگر عمرو بن حریث نے جو اس وقت دربار میں موجود تھا اس نے کہا: "اے ابن زیاد! وہ عورت ہے اور کوئی شخص بھی عورت کی بات پر اس کا مؤاخذہ نہیں کرتا"۔

ابن زیاد نے دوبارہ حضرت زینبؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "خداوند کریم نے مجھے (اس) باغی حسین اور اس کے اہل بیتؑ کے سرکشوں اور گناہ گاروں کے قتل کرنے سے شفا و قلب عطا فرمائی ہے"۔

امامؑ کی غم زدہ بہن یہ سن کر بہت روئیں اور پھر گویا ہوئیں:

لعمری لقد قتلت کهلا و قطعت فرعا، و اجتثثت اصلا،
فان کان هذا شفاءک فقد اشتفیت

"تم بزرگ لوگ تھے اور اپنے جوانوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ تو نے میرے بھائی، میرے بھتیجوں اور میرے چچاں کو قتل کیا اور تو نے میری زندگی کی بنیادیں اکھاڑ دیں اور اس سے لذت پائی اور تو اسے بیان کر کے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے اگر تیری کیفیت لذت انہی کاموں سے ہے جو تو انجام دیتا ہے تو یہ تو ہے اور یہ تیرے کام، اب تو اور کیا کہتا ہے"۔ (از حسین شناسی، آیت اللہ جزوی، ص نمبر ۲۶۱، ۲۶۲)

لیکن زیاد نے جب یہ سنا تو کہا: "یہ عورت اپنے باپ کی طرح خطابت کی دھنی ہے اور سچ دھنگی زبان استعمال کرتی ہے"۔ ①

مقام سوم: دربار یزید (شام)

ابن زیاد نے اپنے قاصد کے ذریعے یزید کو یہ خبر بھجوا دی کہ حسینؑ بن علیؑ اور ان کے اصحاب قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے خاندان کو قید کر دیا گیا ہے۔ یزید یہ خبر سن کر بہت شادمان ہوا اور اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ قیدیوں کو مقتولین کے سروں سمیت شام روانہ کرو۔

ابن زیاد نے اس حکم نامہ کے ملتے ہی اسیران عصمت و طہارت کو ان کے شہدا کے سروں سمیت شام کی طرف روانہ کر دیا۔ یزید نے اپنے جاہ و منصب کی قدرت و طاقت کے اظہار کی خاطر تمام ملکی و غیر ملکی شخصیات، اشراف و امرا اور مختلف طبقات کے

---

① بلاذری نے اسے جواب دیا "عورتوں کو تجھ پر بازی لے گیا کام"۔ (از حسین شناسی، مؤلف: آیت اللہ محمد جزوی، ص ۲۶۲، بحوالہ انساب الاشراف، جلد ۵، ص نمبر ۲۱۹)

لوگوں کو دربار میں بلوایا اور ایک عظیم الشان محفل کا انعقاد کروایا۔ شامیوں نے اپنے سامان لہو ولعب اور لہو ولعب اور لہو ولعب کو دمشق کے داخلی دروازے پر لا جمع کیا تاکہ جب قیدیوں کے داخل ہونے کا وقت ہو تو وہ اپنی خوشی اور شادمانی کا اظہار کر سکیں۔

اسیران کربلا کو شام میں اس طرح داخل کیا گیا کہ ان کے شہدا کے سروں کو اسیروں کے آگے آگے چلایا گیا۔ یہاں تک کہ دربار آ پہنچا۔ ان اسیروں کو اسی حالت کے ساتھ یزید کی اس درباری محفل میں لایا گیا جو پہلے سے ان کی خاطر ترتیب دی گئی تھی (تاکہ اسیروں کی اذیت میں شدت پیدا کی جائے)۔ یزید کہ جس نے اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑ رکھی تھی نہایت بے ادبی کے ساتھ اسے سیدالشہدا کے لب و دندان پر مارتا اور ایسے اشعار پڑھتا جو رسول خداؐ اور ان کے خاندان سے اس کی عداوت اور نفرت کے مظہر تھے۔

علیؑ کی بیٹی نے نہ صرف یہ کہ محفل و دربار اور رعب و دبدبے میں خاموش نہ رہیں بلکہ جھنجوڑ دینے والی، منطقی اور پرسوز گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ابن معاویہ کو ایسے منہ توڑ جوابات دیئے کہ اس محفل میں جو اس وقت شام کے بڑے بڑے اہل کاروں سے بھری پڑی تھی، یزید کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا۔

سیدہ زینب علیہا السلام نے فرمایا:

الحمدلله رب العالمین، و صلی الله علی رسوله محمد و آله اجمعین، صدق الله سبحانه، کذالك یقول ثم کان عاقبة الذین اساء والسوآی ان کذبو بایات الله و اکانو بها یستهزون۔

اظننت یا یزید حیث اخذت علینا اقطار الارض و آفاق السماء، واصبحنا نساق الا سارئ ان بنا علی الله

هوانا و بك عليه كرامة و ان ذالك لعظم خطرك عنده فشمرت بانفك و نظرت فی ملكك بمذلان مسيرا، حيث رايت الدنيا لك مستوثقة والامور متسقة وحينا صفاتك ملكنا وسلطانك مهلا مهلا انسيت قول الله تعالى ولا يحسبن الذين كفروا انما نملی لهم خير لانفسهم :انما نملی لهم ليزدادوا اثما ولهم عذاب المهين:﴿آل عمران﴾

امن العدل يابن الطلقاء تخديرك حرائرك و اماءك وسوقك بنات رسول الله سبايا قد هتكت ستورهن وابديت وجوههن تحدو بهن الاعداء من بلد الى بلد ويستشرفهن اهل المناهل والمناقل ويتصفح وجوههن القريب والبعيد والدنی والشريف ليس معهن من رجالهن ولی ولا من حماتهن حمی وكيف يرتقب مراقبة امن من لفظ فوك اكباد والازكياد ونبت لحمه من دماء الشهداء وكيف يستطيل فی بغضنا اهل البيت من نظر الينا بالشنف والشنان والاحن والاضغان ثم لقول غير متاثم ولا مستعظم لاهلو واستهلو فرحاً۔

"سو دنیا ہے پروردگار عالمین کے لیے اور درود وسلام ہو نبی مرسل علیہ السلام اور ان کی تمام آل طہر پر (بے شک) اللہ نے قرآن میں یہ درست فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے برائیوں کا

ارتکاب کیا تھا ان کا انجام بہت برا ہوا۔ آخرکار وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے لگے۔ (سورہ روم، آیت نمبر ۱۰)

یزید! کیا تو اس خام خیال میں مبتلا ہے کہ تیرے حکم سے ہم پر سختی کی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کی شہادت کے بعد ہم اسیروں کی حیثیت سے یہاں لائے گئے ہیں۔ اس لیے (اب) ہم خدا کی نظروں میں چھوٹے ہو گئے ہیں اور تو خدا کی نظروں میں بڑا بن گیا ہے۔ یزید! کیا تو یہ سوچتا ہے کہ تجھے یہ فتح اس مقام و مرتبہ کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے جو تو خدا کے پاس رکھتا ہے؟ تو خیال رکھتا ہے کہ خدا تجھے دوست رکھتا ہے۔ اس لیے یہ معاملات اس حد تک پہنچے اور اسی باعث تیرا دماغ آسمان پر پہنچا اس لیے تو اپنے شانے اچکا کر اپنا سینہ چوڑا کر کے خوش و خنداں اس فتح کا ڈنکا بجا رہا ہے؟

یزید تو نے یہ باور کر رکھا ہے کہ اگر دنیا تیری مراد کے مطابق گردش کرتی ہے اور جنگ میں تجھے فتح حاصل ہوتی ہے اور تو ہمارے حق اور ہماری حکومت کو غصب کر سکتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خدا تجھے محبوب رکھتا ہے؟ بڑی حیرت ہے؟ کچھ اپنی رفتار آہستہ کر، اس قدر تیز نہ چل، کیا تو نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا؟ کیا تو نے ان آیات کو فراموش کر دیا؟ کیا تو نہیں جانتا کہ خدا نے اپنی کتاب قرآن میں کیا فرمایا ہے؟" یہ (ڈھیل جو ہم دیئے جاتے ہیں یہ کافر اس کو اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انھیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ یہ محبوب بار گناہ سمیٹ

لیں، پھر ان کے لیے سخت ذلت آمیز سزا ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۷۸)

اے یزید! اس شخص کے بیٹے جس کو میرے نانا رسول اللہؐ نے آزاد کیا،[1] وہ خیال کرتا ہے کہ تو بادشاہ عادل ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ تیری عورتیں اور لونڈیاں پردہ میں ہوں اور آزاد ہوں لیکن رسول اللہ کی بیٹیاں اس طرح ایک عام محفل میں حاضر کی جائیں! افسوس ہے تجھ پر اور تیری عدالت پر۔ کیا تو سچ کہتا ہے کہ تو عادل ہے؟ تیرے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں اور فرزند قیدیوں کی حیثیت سے شہر شہر پھرائے جائیں اور پھر تیرے پاس لائے جائیں؟ کس شخص سے امید رکھی جائے، کیا اس شخص سے جس کی جدہ نے پاک ہستیوں کا کلیجہ چبایا[2] اور جس کا گوشت شہیدوں کے خون سے بنا ہے۔

ہاں یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ تو بڑے تکبر کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہے اور اپنے جرائم پر فخر کرتا ہے۔ اپنی دستی چھڑی سے ابی عبداللہ کے لبوں اور دانتوں پر ضرب لگاتا ہے، جو اہل بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ بیشک تو کیوں نہ ضرب لگائے اور کیوں نہ اشعار پڑھے؟ پیغمبر کے فرزندوں کا خون بہا کر تیرے دل کو آرام ملا ہے اور تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے"۔

---

[1] فتح مکہ کی جانب اور رسولؐ خدا کی جانب اشارہ ہے۔ (مترجم)

[2] یزید نے اپنے اشعار میں گذشتہ جنگوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سیدہ نے اس طرح کے اشارے سے یزید کو ذلیل کیا۔ اشارہ اس کی دادی ہندہ کی طرف تھا جس نے جناب حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔

سیدہ زینبؑ کی تقریر جب اس مقام پر پہنچی تو انھوں نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور تمام سننے والوں کے سامنے کہا:

"اے پروردگار! جن لوگوں نے ہمارا حق غصب کیا ہے وہ تو ان سے واپس لے۔ بارالٰہا! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے طرف داروں کو قتل کیا ہے تو ان سے انتقام لے۔"

پھر یزید کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "یزید! خدا کی قسم جو کچھ تو نے کیا ہے خود اپنے اوپر کیا ہے۔ تو نے ان پاک ہستیوں کا خون بہایا ہے اور اس کی حرم محترم کو اسیر بنایا ہے۔ بلاشک قیامت کے روز تجھے پیغمبر خدا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ فرزندان رسولؐ کا حق تجھ سے لیا جائے گا۔ تو یہ گمان نہ کر کہ راہ حق کے شہدا مردہ ہیں وہ زندہ ہیں اور خدا کے پاس سے انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ تیرے لیے بس یہی کافی ہے، تیرا فیصلہ کرنے والا خدا اور تیرے دشمن رسولؐ خدا ہیں۔

اے یزید! تجھے آج یا کل معلوم ہو جائے گا کہ کس شخص نے تیرے لیے زمین ہموار کی اور تجھے مسلمانوں کے کندھوں پر سوار کیا۔ بے شک ظالموں کے جانشین ہمیشہ برے لوگ ہوتے ہیں۔ یزید! میں تھکی ہوئی اور مصیبت زدہ ضرور ہوں لیکن یہ خیال نہ کر کہ تجھ سے بات کرتے ہوئے میں تیرا کوئی لحاظ کروں گی۔ خواہ میرے لیے زحمت اور تکلیف زیادہ سے زیادہ فراہم کی جائے۔ تو میری نظر میں بہت چھوٹا ہے تو نے یہ جو بڑے بڑے

گناہ کیے ہیں ان پر تیری سرزنش کرنا اور تجھے الزام دینا میں بہت ضروری سمجھتی ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ میری آنکھیں گریاں کناں اور میرا سینہ سوزاں ہے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ شیطان کی عداوت (میرے نانا کے آزاد کردہ لوگوں کے لڑکوں) نے اللہ کی عداوت کو قتل کیا ہے اور ان کے ہاتھ ہمارے خون سے آلودہ ہیں اور ان کی ہاتوں سے ہمارے جگر زخمی ہیں۔

یزید تو جو کوشش کرنا چاہتا ہے کر لے اور جس قدر حیلہ و مکر سے کام لینا چاہتا ہے لے لے۔ خدا کی قسم! یہ ناممکن ہے کہ تو ہمارے نام کو مٹا سکے اور ہمارے کتب کو ڈھا سکے۔ تیرے لیے چند روز سے زیادہ مہلت نہیں ہے۔ تو ہمارے کتب کے مقصد سماوی تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ تیری قدرت اور اثر و نفوذ چند روزہ اور یہ تیری حکومت و سلطنت عارضی ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے اور دوسرے میدان عمل سامنے آئیں گے۔ اے یزید! اس دن جب لوگ ظالموں پر لعنت بھیجیں گے تو تیرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

اے یزید! خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بیشتر اشخاص مردی کے ساتھ گزر گئے اور ان کے بعد ہمارے حصے میں رحمت و شہادت آئی۔ ہم خدا سے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ ثواب طلب کرتے ہیں اور بہت زیادہ عنایت مانگتے ہیں۔ وہی خدا واحد و مہربان ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ (از حسین شناسی، مؤلف: آیت اللہ محمد یزدی، ص ۲۸۴، ۲۹۰) □□□

۱۲

امام سجادؑ نے کن کن مقامات پر خطبات ارشاد فرمائے؟

کوفہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے کوفہ میں مجمع کے درمیان جو کہ اہل بیتؑ کے اسیروں کا تماشہ دیکھنے آئے ہوئے تھے، ایک پرجوش و جگر سوز خطبہ ارشاد فرمایا۔ بعد از ثنا و حمد خدائے بزرگ و برتر فرماتے ہیں:

ایها الناس! من عرفنی فقد عرفنی، ومن لم یعرفنی فانا علی ابن الحسین بن علی ابن علی ابی طالب صلوات الله علیهم، انا ابن المذبوح بشط الفرات من غیر ذحل ولاترات، انا ابن من انتهک حریم وسلب نعیمه، وانتهب ماله، وسبی عیاله، انا ابن من قتل صبراً وکفی بذلك فخراً، ایها الناس! ناشدتکم بالله هل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخدعتموه واعطیتموه من انفسکم العهد والمیثاق والبیعة، وقاتلتموه وخذلتموه؟ فتبا لما قدمتم لانفسکم وسوأة لرایکم، بایة عین تنظرون الی رسول الله: اذ یقول لکم قتلتم وانتهکتم حرمتی فلستم من امتی؟

"اے اہل کوفہ! تم میں سے جو مجھے جانتا ہے تو وہ تو جانتا ہی ہے لیکن جو مجھ سے واقفیت نہیں رکھتا تو اس کو میں اب اپنا تعارف کروائے دیتا ہوں کہ میں علی ابن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہوں۔ میں ایسے سلف کا خلف ہوں کہ جن کے ناموس و عزت (اطہارؑ) کی معہ اثاث و مال لوٹا گیا ہے اور جن کی خواتین اور بچوں کی اسیر کر دیا گیا ہے۔ میں فرزند ہوں اس بے کس کا جو فرات کے کنارے بے جرم و خطا ذبح کر دیا گیا۔ میں اس ستم رسیدہ کا نور دیدہ ہوں کہ جو بحالت مجبوری شہید کیا گیا اور میرے افتخار کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم کہ کیا تم نے میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر نہیں بلایا اور پھر ان کو تنہا چھوڑ دیا اور کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم نے ان کے ساتھ نہایت پختہ عہد و پیمان باندھے اور ان کی بیعت کی؟ کیا تمہاری بیعت یہی تھی کہ انہیں قتل کر دو اور ان کے خاندان کو قیدی بنا لو؟ پس تم ہلاک ہو گئے ہو کیونکہ تم نے اپنے لیے یہی سامان آخرت تیار کیا ہے اور کتنی بری راہ کہ جسے تم نے اپنایا ہے (پس) تم کس طرح سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کر سکو گے کہ جب وہ تم سے پوچھیں گے کہ کیوں تم نے میرے جگر گوشے حسینؑ کو قتل کیا اور اس کی اہل بیتؑ کو قیدی بنا لیا"۔

جس وقت امام سجاد علیہ السلام کی گفتگو اس مقام پر پہنچی تو لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں اور وہ ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کرنے لگے۔

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے خطبے کو آگے بڑھایا اور فرمایا:

رحم الله امرءاً قبل نصیحتی، وحفظ وصیتی فی الله فی رسوله و اهل بیته فان لنا فی رسول الله اسوة حسنة

"اے خدا جو کوئی میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیت پر عمل کرے تو اسے اپنی رحمت میں قبول فرما"۔

سب نے ہم آواز ہو کر کہا اے ابن رسول اللہ ہم آپ کے فرمان کے تابعدار ہیں آپ جو کچھ فرمائیں گے ہم اس پر عمل پیرا ہوں گے۔

امام سجادؑ نے فرمایا:

هیهات هیهات ایها الغدرة المکرة، حیل بینکم و بین شهوات انفسکم، اتریدون ان تاتوا الی کما اتیتم الی آبائی من قبل؟ کلا و رب الراقصات فان الجرح لما یندمل، قتل ابی صلوات الله علیه بالامس و اهل بیت معه، ولم ینسنی ثکل رسول الله و ثکل ابی و بنی ای، ووجده بین لهاتی، و مرارته بین حناجری و حلقی، وغصة یجری فی فراش صدری و مسالتی انما تکونوا لنا ولا علینا

"افسوس صد افسوس ہے تم پر اے حیلہ گرو اور غدارو کہ تم ماسوائے مکر و فریب کی فطرت اور عمل کے کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارے دھوکے اور فریب میں نہیں آؤں گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ابھی تو میرا دل اور جگر میرے پدر گرامی کی شہادت کے دکھ سے باہر نہیں نکلا اور وہ کیا کل ہی کا دن تھا جب میرے بابا اپنے اہل بیتؑ کے ہمراہ شہید ہوئے اور اب کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور

میرے والد اور بھائیوں کا دکھ کو نہیں تھا اور اس دکھ و درد کی تکلیف کا ذائقہ اب بھی میرے حلق میں موجود ہے کہ جس کی تلخی میرے منہ اور سینہ کے اندر گردش کر رہی ہے، میں تم سے فقط یہی چاہتا ہوں کہ تم نہ تو میرا ساتھ دو اور نہ ہی میرے اعدا کا ساتھ دو"۔ (بحار الانوار، جلد ۴۵، ص نمبر ۱۱۲، ۱۱۳، منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۳۱۱، ۳۱۲)

جامع مسجد دمشق میں خطبہ

یزید نے خاندانِ رسالت مآب سے اپنے بغض اور کینہ کے مکمل اظہار کے لیے اسیرانِ اہل بیتؑ کو دمشق کی جامع مسجد میں حاضر کروایا اور اپنے خطیب کو حکم دیا کہ اپنے خطاب میں امام حسینؑ کے خاندان کے بارے میں نامناسب اور من گھڑت باتیں کرے۔ اس لعین نے منبر پر چڑھ کر جناب امیر المومنین علی اور ان کے خاندان پر سب وشتم کیا اور امیرِ شام اور یزید کی مدح وستائش کرنے لگا۔ اتنی دیر میں امام سجادؑ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور یزید کے سرکاری خطیب سے فرمایا:

ویلك ایها الخاطب! اشتریت مرضاة المخلوق بسخط الخالق، فتبوا مقعدك من النار

"وائے ہو تم پر اے خطیب! کیا تو نے مخلوق خدا کی خوشنودی کو خالق کی خوشنودی پر ترجیح دے رکھی ہے؟ تیرا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

اسی مقام پر امامؑ نے اپنی بات یزید سے جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

یا یزید اذن لی حتی اصعد هذه الاعواد فا تکلم بکلمات الله فیهن رضا ء و لهولاء الجلساء فیهن

1 ثوا

"اے یزید! مجھے اجازت دے کہ میں اس منبر پر جاؤں اور کچھ باتیں کروں کہ جو خدا کی خوشنودی اور ان لوگوں کی سعادت کے باعث ہوں"۔

پہلے تو یزید اس کی اجازت دینے پر راضی نہ ہوا لیکن جب حاضرین نے اس پر اصرار کیا تو مجبوراً اسے امام سجادؑ کو اجازت دینا پڑی کہ آپ اپنی بات سنا سکیں۔

امام سجادؑ منبر آئے اور دل سوز و شعلہ نوا خطبہ ارشاد فرمایا:[1]

ایها الناس اعطینا ستاً و فضلنا بسبع، اعطینا العلم، والحلم، والسماحة، والفصاحة، والشجاعة والمحبة فی القلوب المومنین، و فضلنا بان من النبی المختار محمد أ، و منا الصدیق، ومنا الطیار ومنا ـــ ورسوله ومنا سبطا هذا الامة، من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی انبأته بحسبی و نسبی: ایها الناس انا ابن مکه ومنیٰ، أنا ابن زمزم والصفا، انا ابن من حمل الرکن باطراف الردا، انا ابن خیر من التزرد ارتدی، انا ابن خیر من انتقل واعتقل، انا ابن خیر من طاف و سعیٰ، انا ابن خیر من حج و لبی، انا ابن من حمل علی البراق فی الهوا، انا ابن من اسری به من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ، انا من دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ، انا بن من صلی

---

[1] امام کا یہ خطبہ اصل کتاب میں فارسی زبان میں تھا۔ اس کا ترجمہ ہمارا ہے تاکہ قاری ان جملوں کی عبارت کا ادراک کر سکے۔ (مترجم)

بملائکۃ السما ، انا ابن من اوحی ، الیہ الجلیل ما اوحی ، انا ابن محمد المصطفیٰ ، انا ابن علی المرتضیٰ ، انا ابن من ضرب خراطیم الخلق حتیٰ قالو ، لا الہ الا اللہ

"اے لوگو! پروردگار عالم نے ہمیں چھ چیزوں سے نوازا ہے اور سات چیزوں پر برتری عطا کی ہے۔ اس نے ہمیں علم و دانش، بردباری، بزرگی، فصاحت، شجاعت اور مومنین کے قلوب میں جاری الفت و رحمت ہمیں مرحمت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ امتیازات عطا فرمائے کہ خدا کے برگزیدہ ترین پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں اور صدیق اکبر (رسول اللہ) ہم میں سے ہیں اور طیار ہم میں سے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہم میں سے ہے، اس امت کے دو عظیم فرزند (حسنؑ و حسینؑ) ہم میں سے ہیں۔ پس جو مجھ سے واقف ہے تو وہ تو جانتے ہیں ہی لیکن جو مجھ سے واقف نہیں میں انہیں اپنا حسبی و نسبی تعارف کروائے دیتا ہوں۔

اے لوگو! میں فرزند مکہ و منیٰ ہوں، میں فرزند زم زم و صفا ہوں، میں اس کا فرزند ہوں کہ جس نے قحط سالی میں لوگوں کو گھروں میں کھانا اپنی عبا میں چھپا کر پہنچایا، میں فرزند ہوں اس کا جو ہر چادر والے سے افضل ہے اور میں فرزند ہوں اس کو کہ جو ہر کفش پا اور بے کفش کا یکساں آقا ہے، میں اس کا فرزند ہوں کہ جو ہر طواف و سعی کرنے والے سے افضل ہے اور میں اس کا فرزند

ہوں کہ جو ہر حج و لبیک کہنے والوں سے اولیٰ ہے، میں فرزند ہوں اس شخص کا کہ جو لمحہ میں براق کا سوار ہوا اور میں فرزند ہوں اس مسافر کا کہ جو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ ایک رات میں گیا۔ میں فرزند ہوں اس کا کہ جو مقام دنی فتدلی تک پہنچ کر منزل قاب قوسین اور اَدنیٰ پر فائز ہوا۔

میں اس شخص کا فرزند ہوں کہ جس کا جنازہ ملائک نے دو دو ہو کر پڑھا تھا۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جو اوحی الیہ ما اوحی کا مخاطب ہے۔ میں ابن مصطفیٰ ہوں، میں ابن مرتضیٰ ہوں اور میں اس کا فرزند ہوں کہ جس نے اس وقت تک لوگوں (کفار و منافقین) سے جنگ کی کہ تاوقت کہ وہ یہ نہ کہہ چکے "لا الٰہ الا اللہ" میں فرزند ہوں اس کا کہ جس نے رسول اللہ کے سامنے دو تلواروں سے جنگ کی، دو نیزوں سے جنگ کی، دو ہجرتیں کیں، دو مرتبہ بیعت کی، جس نے بدر و حنین میں کفار کا مقابلہ کیا اور جس نے لمحہ بھر کو بھی کفر انجام نہ دیا۔

میں فرزند ہوں صالح المومنین کا اور میں فرزند ہوں وارث انبیاء کا، اور میں فرزند ہوں قاطع الملحدین کا اور میں فرزند ہوں گلہبان مسلمین کا اور میں فرزند ہوں نور المجاہدین کا اور میں فرزند ہوں زین العابدین کا اور میں فرزند ہوں تاج مستمکین کا اور میں فرزند ہوں صابر الصابرین کا اور میں فرزند ہوں اس کا جو افضل القائمین ہے۔ اور میں فرزند ہوں اس کا جس کی جبرئیل نے تائید کی اور میکائیل نے مدد کی۔ اور میں فرزند ہوں اس کا جس نے ناموس

مسلمین کے لیے جنگ کی اور جس نے مردوں، بالغوں اور بیت شکنوں سے جنگ کی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور جو قریش کے ہر فرد سے افضل ہے اور یہ وہی ہے جس نے دعوت نبوی پر سب سے پہلے لبیک کہا، جس نے مومنین میں سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کا اقرار کیا اور جو سابقین میں سے پہلا تھا، جو کافروں کا مخالف اور مشرکوں کا قاتل تھا اور جو متقین کے لیے اللہ کی مقرر کردہ علامت تھا جو حکمت عابدین کی زبان اور دین خدا کا ناصر تھا، جو امر الٰہی کا ولی اور حکمت الٰہی کا گلستان تھا اور جو ظرف علم الٰہی تھا۔ جو کرمی تھا، کریم تھا، دانا تھا، دانش ور تھا، ظاہر الٰہی و رضائے الٰہی پر راضی تھا، جو آگے بڑھنے والا تھا، دشمنوں کے لیے موت تھا جو مصائب پر صابر، پابند صوم، مہذب اور عابد شب دار تھا۔ جو باپ کی صلب میں کفار کو مارنے والا، جس کے باعث لشکر پراگندہ ہو جاتے تھے اور جس کا ہاتھ لگام پر مضبوط تھا، دلی طاقت ور، ارادے پختہ اور عادات محمود تھیں۔ جو ایک مسلح شیر تھا۔ جو میدان جنگ میں لشکروں کے ٹکرانے پر اعدا کو پکی کی ماند کاٹ دیتا تھا اور جو کہ اعدا پروردگار کو اس طرح سے بھگاتا جیسے کہ ہوا خشک پتوں کو اڑاتی ہے۔ جو شیر حجاز اور اسد عراق تھا۔ وہ مکی بھی تھا اور مدنی بھی، اسری بھی تھا اور مہاجر بھی جو سرداران عرب کا سردار تھا، میدان جنگ کا شیر اور غزوات و حزوقہ کا وارث تھا جو ابا السبطین حسن و حسین تھا اور یہی تھا میرا دادا علیؑ ابن ابی طالب"۔

امامؑ نے فرمایا: "میں فرزند فاطمۃ الزہرا ہوں، میں فرزند سیدۃ النساء ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جسے ظلم سے شہید کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں کہ جسے ظلم سے شہید کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر پس از گردن جدا کیا گیا، میں فرزند ہوں اس کا جسے دم آخر پینے کو پانی نہ ملا۔ اور میں فرزند ہوں اس شخص کا جس کا عمامہ و عبا بھی اتار لیے گئے۔ اور میں فرزند ہوں اس کا جس پر آسمان میں ملائکہ، زمین پر جنات اور ہوا میں پرندے ماتم کناں ہیں۔ میں فرزند ہوں اس کا جس کا سر نوک سناں پر بلند ہے اور میں فرزند ہوں اس کا جس کی اہل بیت کو عراق تا شام رسن بستہ لایا گیا ہے"۔

جب امام سجادؑ اپنے خطبے کے اس مقام پر پہنچے تو یزید نے مؤذن سے کہا کہ اس کے کلام کو قطع کرو اور اذان دے دو۔

مؤذن نے فوراً کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

جناب علیؑ ابن الحسینؑ نے فوراً کہا: بے شک خداوند کریم سے بزرگ و برتر کچھ نہیں ہے۔

پھر جب مؤذن نے پڑھا: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ تو امامؑ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس پروردگار کے علاوہ کوئی رب نہیں، کوئی معبود نہیں۔

پھر جب مؤذن اس مقام پر پہنچا اور کہا: اشہد ان محمداً رسول اللہ۔

اس پر امام علیہ السلام نے مؤذن سے کہا: تجھے اس محمدؐ کا واسطہ کہ تو رک جا۔

مؤذن نے توقف کیا تو امامؑ نے منبر پر آکر یزید سے کہا: اے یزید بھلا یہ بتا محمدؐ میرے نانا ہیں یا تیرے؟ اگر تو یہ کہے کہ تیرے ہیں تو تو نے جھوٹ بولا اور کفر کیا۔

لیکن اگر تو یہ کہے کہ وہ میرے نانا ہیں تو پھر یہ بتا دے کہ تو جس رسولؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے اس کی ذریت پاک کو کس جرم میں شہید کیا اور اس کی بیٹیوں کو کس جرم میں قیدی بنایا؟"۔ ①

یزید ملعون نے مؤذن سے کہا: جلدی اقامت نماز پڑھ۔ چنانچہ مؤذن نے اقامت جلدی سے پڑھی اور نماز ظہر کی ادائیگی شروع ہوگئی۔ (بحار الانوار، جلد ۴۵، ص ۱۳۹، ۱۳۸)

مدینہ منورہ میں خطبہ

اس سے قبل کہ اسیران کربلا رہائی کے بعد وارد مدینہ ہوتے امام زین العابدینؑ نے بشیر کو یہ حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ میں حسینؑ بن علیؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت اور مدینہ میں ان کے اہل بیتؑ کے آنے کی منادی کرے۔ اس لیے بشیر وارد مدینہ ہوا اور بلند آواز میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ:

یا اهل یثرب لا مقام لکم بها
قتل الحسین فادمعی مدرار
الجسم منه بکربلا مضرج
والراس منه علی القناة یدار

"اے یثرب کے لوگو اب یثرب رہنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ

---

① آپ نے گریبان چاک کیا اور گریہ فرمایا اور گویا ہوئے: "اے یزید اگر کوئی شخص دنیا میں جرائم کر سکتا ہے کہ تو میرے نانا ہیں تو وہ میں ہوں۔ تو بس مجھے بتلائے کہ تو نے کس جرم میں میرے بابا کو ایسا شہید کیا اور میری زوجیوں کو بازاروں اور شہروں پر بے مقنعہ و چادر قیدی بنا کر لایا۔ اے یزید تو کس منہ سے محمد رسولؐ اللہ کہتا ہے اور قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتا ہے۔ (حسینؑ کے بعد از کتاب بشارۃ مصائب السبطین۔ جلد دوم ص ۳۶۲)

حسینؑ کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ ان ہی کی شہادت کی وجہ سے ہے جو میری آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ حسینؑ کا جسم خاک کربلا میں خون آلود پڑا ہے اور ان کا سر مبارک نیزوں پر بلند کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا ہے"۔ (بحوالہ لہوف، ص ۲۳۵)

یہ سننا تھا کہ لوگوں نے باب مدینہ پر جمع ہونا شروع کر دیا تا وقت کہ اہل بیت حسینؑ مدینہ میں داخل ہو گئے۔ امام سجادؑ نے اس موقع پر ایک دل سوز خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله رب العالمين، مالك يوم الدين، بارئ الخلائق اجمعين الذي بعد فارتفع في السموات العلى، وقرب فشهد النجوى..... الخ

"تمام حمد و ثنا ہے اس خدائے عالمین کے لیے جو کہ مالک ہے روز جزا کا اور خالق ہے تمام مخلوقات کا ہاں وہ خدا کہ جو عقل کے ادراک سے بعید ہے اور پوشیدہ راز اس کے علم میں ہیں، میں اس پروردگار کا ان مصیبتوں، بلاؤں، مشکلوں، غموں پریشانیوں اور ان سب کی سنگینیوں اور شدتوں پر شکر بجا لاتا ہوں۔

اے لوگو! اس خدا کی حمد و ثنا کہ جس نے اسلام کے راستے میں واقع ہونے والی عظیم مصیبتوں اور حادثوں کے لیے آزمایا اور یہی وجہ ہے کہ ابا عبداللہ الحسین اور ان کی عترت کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتیں اسیر کر دی گئیں۔ ان کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے شہر در شہر پھرایا گیا اور یہ وہ مصیبت ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔

اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو اس مصیبت و غم کے بعد شادمان ہو سکے گا؟ کون سا دل ہے کہ جو اس غم اور دکھ درد سے خالی رہ

سکے اور وہ کون سی آنکھ ہے جو اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو تھام سکے؟ اس صورت میں جبکہ اس مصیبت پر ساتوں آسمان گریاں کناں ہیں اور آسمان پر بسنے والے جوق در جوق آئے اور آکر زمین پر روئے۔ تمام درختوں کی شاخیں، دریاؤں کی موجیں اور مچھلیاں، مقرب فرشتے اور تمام اہل آسمان اس مصیبت میں عزادار ہوئے۔

اے لوگو! وہ کون سا دل ہے کہ جو قتل حسینؑ سے نہیں پھٹ جاتا؟ اے لوگو! کون سا دل اس پر نہیں روتا اور کون سے کان ہیں کہ جو اس عظیم مصیبت جو کہ اسلام پر نازل کی گئی، سنے اور اس کی شدت سے پھٹ نہ جائیں؟

اے لوگو! انھوں (دشمنان اسلام) نے ہمیں بکھیر دیا اور ہمیں اپنے شہیدوں سے دور کر دیا گویا کہ ہم اہل ترک ہوں یا اہل کابل یا پھر ہم سے کسی جرم یا گناہ کا ارتکاب ہوا ہو یا ہم نے اسلام کے اندر کوئی تبدیلی کی ہو یا پھر ہم نے اس ملت کی پاسداری کو روا نہ رکھا ہو کہ جسے ہمارے اجداد بجا لاتے رہے اور یہ کہ سوائے بدعت کے ہم نے کچھ نہ کیا ہو۔ خدا کی قسم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے حق کے متعلق وصیتوں کے بجائے اگر ہم سے جنگ کا حکم دیا ہوتا تو ہی ممکن ہوتا کہ ہم اس سلوک کے قابل قرار پاتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہماری مصیبت کس قدر عظیم، دردناک، پرسوز، شدید، تلخ اور دشوار گزار ہے۔ اور ہم خدائے بزرگ و برتر سے ہی سوال کرتے

ہیں کہ وہ ہمیں ان مصائب و زحمتوں کے بدلے اجر و ثواب اور اپنی رحمت عطا فرمائے۔ کیونکہ بے شک وہی غالب اور انعام دینے والا ہے۔ ①

□□□

---

① اس کے بعد بشیر نے کہا: "اے اہل مدینہ! علی ابن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ہمراہ تمہارے شہر کے نزدیک پہنچ چکے ہیں اور مدینہ شہر کی دیوار کے پچھلے حصے میں ہیں۔ انھوں نے بھیجا ہے کہ تاکہ میں یہ اطلاع کردوں کہ وہ اس وقت یہاں آنے والے ہیں"۔ (لہوف، ۲۳۸، ۲۳۹)

جب خطبہ اس مقام پر پہنچا تو سوحان بن صعصعہ بن سوحان کہ جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح سے معافی مانگنے لگا: "یا بن رسول اللہ! میں اپنے پیروں کے مرض میں مبتلا ہو کر خاک نشین ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی نصرت کو نہ پہنچ سکا۔ امامؑ نے اس کا عذر قبول کیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے والد صعصعہ پر رحمت بھیجی۔ (لہوف، ص ۲۴۱)

۳۴

کیا اہل بیتؑ امام کربلا میں روز اربعین آئے تھے؟

اہل بیت حسینؑ کا اربعین اول (۶۱ ہجری) میں کربلا میں داخلہ کے بارے میں محدثین اور ارباب مقاتل کے درمیان اختلاف ہے۔ ہم یہاں دونوں نظریات پیش کرتے ہیں۔

متعدد اہل نظر افراد اربعین اول پر اہل بیتؑ کے کربلا میں ورود کے معتقد ہیں۔ محدث قمی، منتہی الآمال میں سید ابن طاؤس سے نقل فرماتے ہیں:

> "اہل بیت اطہارؑ نے جب شام سے سفر اختیار کیا تو عراق پہنچے اور سالار قافلہ سے کہا کہ ہمیں براستہ کربلا لے جائے (پس) سالار قافلہ نے اہل بیت حسینؑ کی اس خواہش پر عمل کیا اور انھیں براستہ کربلا لے کر گیا۔ جس وقت یہ قافلہ حضرت سید الشہداؑ کی تربت پر پہنچا تو انھوں نے جابر بن عبداللہ انصاری اور ان کے ساتھ بنی ہاشم کے قبیلے کی ایک جماعت اور دیگر مومنین کو سید الشہداؑ کی زیارت میں مصروف پایا۔ (پس) وہاں ہی عزاداری اور نوحہ خوانی کی رسم شروع کی گئی اور عرب قبائل کی خواتین اور اردگرد کی آبادیوں سے لوگوں نے اس عزاداری میں شرکت کی۔ جس کے چند روز بعد عزاداری اور سوگواری کو برپا کرنے والے

مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے"۔

منہاج الدموع میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

"اہل بیت اطہار کا اربعین اول میں وارد کربلا ہونا اگرچہ پہلی نظر میں تعجب انگیز ہے اور اسی سبب متقدمین اور محدثین خصوصاً مرحوم نوری (اعلی اللہ مقامہ) نے اس بات سے انکار کیا ہے۔ لیکن کبھی بھی ان (اہل بیتؑ) کا کسی بھی پہلے اربعین پر وارد ہونا عقلی امکان رکھا جا سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ روایت بھی اسی جانب اشارہ کرتی ہو اور اس کے دعوے سے انکار ممکن نہیں ہے۔ (منہاج الدموع، ص ۳۹۹)

منہاج الدموع کے مصنف نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

"ایک چوتھا قول یہ ہے کہ اہل بیتؑ شام سے رہا ہونے کے بعد اربعین اول پر کربلا پہنچے ہوں اور پھر اس کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے ہوں اور جیسا کہ دلائل پیش کیے گئے ہیں کہ کوفہ و شام کا درمیانی فاصلہ زمانے کے لحاظ سے عام طور پر دس دن سے زیادہ تھا۔ پس یہ تمام اقوال میں سے قوی نظر آتا ہے (واللہ اعلم)۔

(منہاج الدموع، ص ۴۰۲)

جو کچھ بھی امام حسینؑ کے سر مطہر کے دفن کے متعلق بیان کیا گیا ہے وہ اس قول کی تائید کرتا ہے کہ شیخ محدث قمی فرماتے ہیں:

"علمائے شیعہ کے درمیان یہ معروف ہے کہ امام زین العابدینؑ اپنے والد بزرگوار جناب امام حسینؑ کا سر مبارک کربلا لے کر آئے اور ان کو دیگر شہدا کی طرح ان کے اجسام کے ساتھ قبر میں رکھ دیا

گیا"۔ (منتہی الآمال جلد اول ص ۳۴۰)

بعض محققین نے یہ بھی احتمال ظاہر کیا ہے کہ اہل بیتؑ کوفہ سے شام جاتے ہوئے کربلا پہنچے تھے۔ چونکہ ابن زیاد اہل بیت اطہارؑ کو کوفہ میں اس لیے پہلے لے کر آیا تاکہ یزید کی جانب سے انھیں شدید ایذا پہنچا سکے اور پھر ان حضرات کو کوفہ سے شام روانہ کر دیا اور یہ قافلہ اربعین کے موقع پر کربلا میں وارد ہوا۔ (منتہی الآمال، جلد اول، ص ۳۴۳)

مرحوم آیتی اپنی کتاب "بررسی تاریخ عاشورہ" میں فرماتے ہیں:

"اسیران اہل بیتؑ چہلم امام حسینؑ کے موقع پر بعد شہادت کربلا میں وارد ہوئے تھے۔ اگر ہم اس بات پر کچھ قابل اعتماد دلیل اور ثبوت رکھتے ہوتے تو ہم کہتے کہ یہ قافلہ شام جاتے وقت نہیں آیا تھا نہ کہ شام سے لوٹتے وقت"۔ ①

ناسخ التواریخ میں درج ہے: "چونکہ اہل بیتؑ کوفہ سے شام کے لیے روانہ ہوئے تھے اور اربعین پر کہ جب صفر کی بیس تاریخ تھی کربلا پہنچے تھے۔ (اس لیے) کربلا میں عزاداری و ماتم برپا کیا گیا اور جابر بن عبداللہ انصاری جو وہاں امام حسینؑ کی زیارت کے لیے آئے تھے ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

اگرچہ اس قول میں اسیران کربلا کا کوفہ سے شام جاتے ہوئے کربلا میں پہنچنے کا ذکر ہے اور شام سے لوٹنے کا نہیں اسی لیے اس قول کی تائید میں کہا جاسکتا ہے کہ اہل بیت اطہارؑ اربعین اول کے موقع پر کربلا میں وارد ہوئے اور جابر سے ملاقات ہوئی۔

مؤرخین کا ایک اور گروہ ایسا بھی ہے کہ جو اہل بیت اطہارؑ کا اربعین کے موقع پر کربلا میں ورود بہت بعید تصور کرتے ہیں اور عملی طور پر اسے محال سمجھتے ہیں۔ جناب

---

① بررسی تاریخ عاشورہ سے مراد تاریخ عاشورہ کی تحقیق۔ (مترجم)

محدث قمی فرماتے ہیں:

"بہت ہی بعید ہے کہ اہل بیتؑ ان تمام تر واقعات کے بعد شام سے جب چلے ہیں تو بیس صفر کے روز اور پھر جابر انصاری کے کربلا میں چہلم کے دن کربلا میں پہنچے ہوں"۔

مرحوم اپنی کتاب بڑی تاریخ عاشور کربلا میں فرماتے ہیں:

"اہل بیتؑ کے شام سے عراق کی جانب آنے اور بیس صفر یا اربعین کے دن کربلا میں وارد ہوجانے کی داستان سے متعلق کوئی وجہ ایسی نہیں ملتی جس کے باعث اسے تسلیم کیا جاسکے اور پھر نہ ہی کوئی قابل اعتماد سند ایسی ہے کہ جو اس کی تائید کرسکے۔ اہل بیت اطہارؑ ماہ رجب بمطابق ۶۰ ہجری مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور ذی الحجہ میں عازم عراق ہوگئے اور پھر وہاں سے بعد از شہادت امام حسینؑ محرم ۶۱ ہجری حالت اسیری میں کوفہ لائے گئے۔ اسی زمانے میں شام سے حکم نامہ ملا تو ان کو شام بھیج دیا گیا اور وہاں وہ نامعلوم مدت کے بعد پھر مدینہ لوٹ آئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اہل بیتؑ اطہار کا کوفہ سے شام لے جانے، دمشق پہنچنے، وہاں مدت اسیری اور دمشق سے مدینہ واپسی وغیرہ کی درست تواریخ معلوم نہیں ہیں اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ان تمام حوادث و واقعات میں سے کوئی بھی ایک کس تاریخ میں رونما ہوا تھا۔

علامہ شہید مطہری اپنی تصنیف حماسہ حسینی میں اربعین کے روز اہل بیتؑ کربلا میں ورود سے متعلق (لوگوں کی) باتوں کو خیالی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب اربعین کا دن آتا ہے تو سب اس بیان کو پڑھتے ہیں اور لوگ بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ واقعہ حال یہی ہے کہ اسیروں کا قافلہ اسی دن کربلا پہنچا تھا اور وہیں جابر انصاری (صحابی) سے بھی ملاقات ہوئی تھی"۔ یہ صورت حال ماسوائے کتاب

"لبوف" کہیں نہیں ملتی اور پھر یہ کہ خود لبوف کے مصنف نے اپنی اس تصنیف کے علاوہ دیگر تمام کتب میں اس واقعہ کو تسلیم نہیں کیا ہے اور ہرگز اس کی تائید نہیں کی ہے۔

کسی بھی اور کتاب میں ایسا وارد نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل اس واقعہ کی تائید کرتی ہے۔ لیکن یہ امکان غالب ہوسکتا ہے کہ ہر سال اس واقعہ کو لوگوں کی زبان سے سننے کے باعث اسے درج کیا گیا ہو۔ جابر پہلا زائر امام حسینؑ تھا، اربعین کے دن وہاں پہنچا تھا۔ یہ دونوں موضوع اہمیت نہیں رکھتے۔ اصل حقیقت حال یہ ہے کہ شام جانے کا راستہ کربلا سے نہیں گزرتا اور شام سے مدینہ کا راستہ وہیں شام سے جدا ہوجاتا ہے۔ (ناسخ التواریخ، جلد نمبر ۳، ص نمبر ۱۰۱)

شہید ہاشمی نژاد نے اپنی کتاب بعنوان "دری کی حسین بہ انسانہا آموخت" میں اہل بیت اطہار کے کربلا میں وارد ہونے کا کوئی بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ (دری تاریخ عاشورہ۔ ص نمبر ۱۲۸، ۱۲۹)

محدث قمی منتہی الآمال میں شیخ مفید، شیخ طوسی، کفعمی اور ابن اثیر وغیرہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ان افراد میں سے کوئی بھی ایک اہل بیت اطہارؑ کے کربلا میں وارد ہونے کا قائل نہیں ہے۔ (حماسہ حسینی، جلد ۱، ص ۳۰)

□□□

۶۵

امام حسینؑ کی قبر مبارک کا اوّلین زائر کون تھا؟

حماسہ حسینی کے بعد کے موضوعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قبر امام حسینؑ کی زیارت (کی ابتدا) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی بدولت ہے۔ یہ صحابیٔ رسولؐ مدینہ سے بغرض زیارت قبر سید الشہدا کربلا آئے اور وہی پہلے زائر قرار پائے۔ حضرت جابر ۱۰ صفر بمطابق ۶۱ ہجری ہمراہ عطیات کربلا میں وارد ہوئے یہ کوئی اتفاقی حادثہ یا واقعہ نہیں تھا۔ بلکہ امام حسینؑ اور ان کے احباب کی شہادت کی خبر تمام شہروں اور بالخصوص مدینہ میں پھیل چکی تھی اور حضرت جابرؓ جو کہ اہل بیت عصمت وطہارت سے خاص محبت وعقیدت رکھتے تھے، امام حسینؑ کی زیارت کرنے کے لیے ہی کربلا پہنچے تھے۔

شیخ محدث قمی فرماتے ہیں: "وہ پہلا شخص کہ جس نے امام حسینؑ کی زیارت کی وہ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ تھے"۔ (دری کہ حسین بہ انسانہا آموخت، ص ۳۷۹)

ڈاکٹر آیتی، شیخ طوسی سے یوں نقل کرتے ہیں کہ "میں صفر کا دن وہ ہے کہ جب صحابیٔ رسولؐ جناب جابر بن عبداللہ انصاری مدینہ سے قبر سید الشہدا کی زیارت کے قصد سے وارد کربلا ہوئے۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے امام حسین کی زیارت کی"۔ (منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۳۴۳)

علامہ شہید مرتضیٰ مطہری فرماتے ہیں: "جابرؓ پہلا زائر امام حسینؑ تھا"۔

اس لیے اربعین کو امام حسینؑ کی زیارت کی سنت جابر ابن عبداللہ انصاریؓ نے شروع کی۔ جابرؓ زیارت قبر سید الشہداؑ کی غرض سے پہلے فرات پر گئے اور وہاں غسل کر کے طہارت فرما کر، قبر امام حسینؑ پر حاضری دی اور فرمایا: "میرا ہاتھ قبر کے اوپر رکھ دو"۔ جب ان کا ہاتھ قبر پر پہنچا تو (شدت غم سے) بے ہوش ہو گئے اور قبر پر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو تین مرتبہ دہرایا: "یا حسینؑ، یا حسینؑ، یا حسینؑ"۔ پھر فرمایا: "کیا دوست اپنے دوست کو جواب نہیں دیتا؟" پھر کہا: "جیسے بھی ہو سکے میری بات کا جواب دو اور وہ بھی اس حال میں کہ آپ کا سر آپ کے جسم کے ساتھ نہیں"۔ پھر تمام شہدا پر سلام بھیجتے ہوئے فرمایا:

السلام علیکم ایتها الارواح التی حلت بفنائ قبر الحسین و انا خت برحله اشهد انکم اقمتم الصلوة واتیتم الزکوة و امرتم بالمعروف و نهیتم عن المنکر وجاهدتم الملحدین و عبدتم الله حتی اتکم الیقین

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے یہ جملہ خصائل عبارت ہیں:

① رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔

② رسول اللہ ﷺ کی جانب سے امام محمد باقرؑ کو سلام پہنچانے کے حامل شرف ہیں۔

③ پہلے زائر امام حسینؑ ہیں۔

④ زیارت اربعین امام حسینؑ کی سنت کے اساسی فرد ہیں۔

⑤ معصومین میں سے سات معصومین کی زیارت و دیدار سے شرف یاب ہیں۔

⑥ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی لوح آسمانی کی زیارت سے مشرف یاب تھے۔

⑥ امام محمد باقرؑ سے خانت قناعت کے حامل تھے۔
⑦ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ متعدد غزوات اور جنگ صفین میں شریک تھے۔
⑧ امیر المومنینؑ کے حقیقی شیعہ تھے۔
⑨ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری صحابی کہ جن کا انتقال مدینہ میں ہوا۔
⑩ جابرؓ کے والد عبداللہ انصاریؓ بدری تھے اور وہ اُحد میں شہید ہوئے۔

بالآخر جابرؓ نوے سال کی عمر میں ۷۸ ہجری میں دار فانی سے اس حالت میں کوچ کیا کہ ان کی آنکھوں کا نور ختم ہو چکا تھا۔

□□□

۲۲

کیا حماسہ کربلا پر خواتین نے اپنے نقوش رقم کیے تھے؟

جنگ کربلا میں ایسی عظیم خواتین موجود تھیں کہ جنہوں نے عظیم بہادری اور جرأت کاری کا مظاہرہ کیا اور اس عشق و محبت کے باعث جو ان کو خاندان عصمت و طہارت سے تھا، انھوں نے نہ صرف یہ کہ فرزند زہراؑ کو تنہا نہ رہنے دیا بلکہ وہ ثانی زہرا زینب سلام اللہ علیہا کے ہمراہ بھی ہر قدم پر رہیں۔ ہم آگے چل کر ان جانثار خواتین کی چند مثالوں کو پیش کرتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ان تمام عظیم خواتین کو اپنی تمام تر بزرگواری کے باوجود سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا ثانی نہیں کہا جا سکتا۔

① جناب ام وھب: ام وھب عبداللہ بن عمیرؓ کی زوجہ تھیں کہ جو امام حسینؑ کی جانب سے جنگ میں شریک ہوئے اور پایہ شہادت پر فائز ہوئے۔ عبداللہ بن عمیرؓ نے امامؑ سے اذن جہاد حاصل کیا اور دشمن سے لڑنے کے لیے میدان کی جانب بڑھ گئے۔ عبداللہؓ کی زوجہ ام وھبؓ نے چوب خیمہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور عبداللہؓ کے پاس جا پہنچی اور اس سے کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ فرزند رسولؐ کے لیے جان کی بازی لگا دیجئے۔ عبداللہ نے چاہا کہ ان کو واپس خیمہ میں بھیج دیں مگر ان کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی (کیونکہ) انھوں نے اپنے شوہر عبداللہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: "میں یہاں سے ہرگز واپس نہ جاؤں گی جب تک تمہارے ساتھ قتل نہ کر دی جاؤں"۔

امام حسینؑ (کہ جو میدان کا منظر ملاحظہ کر رہے تھے) نے انھیں واپس خیمے

میں لوٹا دیا مگر عبداللہؑ کی شہادت کے بعد ان کی زوجہ کو میت کے سرہانے پہنچا دیا۔ انھوں نے اپنے شوہر کے چہرے کی خاک اور خون کو صاف کیا اور کہا: تجھے بہشت مبارک ہو۔ اسی جگہ ایک شقی نے پلٹ کر ایک ضرب ام وہبؑ کے سر پر لگائی جس سے وہ شہید ہو گئی۔

① جنادہ بن حارث سلیمانی: جس وقت کہ جنادہ کے بیٹے عمروؓ نے میدان کارزار میں جانے کے لیے امامؑ سے اذن جہاد طلب کیا تو امامؑ نے فرمایا: ''اس جوان کا باپ مر چکا ہے اور شاید کہ اس کی والدہ اس کے میدان جنگ میں جانے پر راضی نہ ہو''۔ اس پر عمروؓ نے عرض کیا: ''میری ماں نے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے تاکہ میں آپ کی ہم رکابی میں شہید ہو جاؤں''۔ پس امامؑ نے اسے اذن جہاد عطا کیا۔ چنانچہ وہ میدان میں گئے اور دشمنوں سے بھرپور جنگ کرنے کے بعد آخرکار شہادت پانے میں کامیاب ہوئے۔ اس جوان کی والدہ ''جنادہ'' میدان میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے نکلی اور اپنے بیٹے کی سرکٹی لاش کو اپنی گود میں لے کر کہا: ''شاباش میرے بیٹے!'' پھر ایک خیمہ کی چوب اٹھائی اور دشمن کی جانب چل دیں۔ وہاں دو افراد کو مارا۔ پھر امام نے انھیں حکم دیا کہ خیمے میں لوٹ آئیں اور اس خاتون کے حق میں دعا فرمائی۔ (منتہی الآمال، جلد ۱، ص ۳۷۰)

② حضرت ربابؑ زوجہ امام حسینؑ: حضرت ربابؑ سے امام حسینؑ کی دو اولادیں تھیں جن میں سے ایک بیٹی کا نام سکینہؑ تھا اور ایک بیٹا کہ ان کا نام عبداللہؑ تھا۔ حضرت رباب کا یہ شیر خوار فرزند روز عاشورا قتل کر دیا گیا اور بیٹی سکینہؑ قیدی بنائی گئی۔ جب حضرت ربابؑ نے ابن زیاد کے دربار میں امام حسینؑ کو دیکھا تو شدت غم سے آہ و بکا، بین و نوحہ فرمایا۔ (بررسی تاریخ عاشورہ، ص ۱۹۳، ۱۷۳)

□□□

۱۷

قیام امام حسینؑ سے کیا اثرات ونتائج برآمد ہوئے؟

بلا کسی شک وتردید کے قیام حسینی کے جو متعدد اثرات اس وقت کے عوام اور بعد میں آنے والے افراد پر مرتب ہوئے، ان میں سے چند ایک نتائج کا ذکر درج ذیل ہے:

اسلام اور خلفاء کے مقابل قیام کا تجزیہ

قیام امام حسینؑ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خلیفہ کے خلاف قیام اور اسلام کے خلاف قیام کرنے کے مابین فرق ظاہر ہوا تا کہ اسلام کے محاسبہ اور حکمرانوں کے محاسبہ کے درمیان فرق واضح ہو۔ کیونکہ اس دور میں خلفا (حکمران) اسلام کے بڑے حامی یا رکھوالے کے طور پر جانے جاتے تھے اور امت مسلمہ کے عوام اُن کو اسلام کے سب سے بڑے حامی اور اولی الامر کے طور پر تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس سوچ کے برعکس امام حسینؑ نے اپنے قیام کے ذریعے یہ بات دنیا پر اجاگر کردی کہ اسلام کی مخالفت، خلافت کی مخالفت سے جدا امر کی حامل ہے۔

تاریخ اسلام میں ہم متعدد ایسے قیام پاتے ہیں کہ جو خلفاؑ کے خلاف کیے گئے لیکن اس کو امت مسلمہ سے حمایت حاصل ہوئی مثلاً اُمویوں کے خلاف ایرانیوں کا قیام۔ لیکن چونکہ قیام امام حسینؑ خلافت کے مدمقابل سب سے پہلا قیام تھا اور اس قیام نے دو بنیادی باتوں (خلافت اسلامی اور خلافت غیر اسلامی) کے مابین فرق کو امت

مسئلہ کی فہم میں مخل کیا تھا۔ (حماسہ حسینی، جلد ۳، ص ۹۷)

پس اسی وجہ سے قیام حسینی کا سب سے پہلا ثمر یہ برآمد ہوا کہ بنو اُمیہ اور یزید جو کہ بطور خلیفۃ المسلمین مصب حکومت غصب کر رہے تھے انھیں اس طرح سے معلات پر قرار دیا کہ لوگوں کے وجدان کو جھنجوڑ کر اُموییوں کو ذلیل کیا گیا اور حکومت اموی کو حکومت اسلامی و شرعی سے خارج کر دیا گیا۔ یہ حکومت اُموی کہ جو ہمیشہ اس تگ و دو میں رہتی تھی کہ اپنی حکومت کو دینی و مذہبی حکومت کے طور پر پیش کر سکے، قیام حسینی نے اس کوشش کو قطع کر کے اموی حکومت کو ایسا رسوا کیا کہ اس کی دین نا آشنا روح سے تمام ملت اسلامیہ آشنا ہو گئی۔

اسلام کے پودے کو شجر ثمر بار بنا ڈالا

قیام امام حسینؑ کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ دین اسلام کا وہ نخل پودا کہ جسے اس کے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے بویا تھا اور بابا علی مرتضیٰؑ نے اپنے علم و معرفت اور کوشش سے پروان چڑھایا تھا اُس کو یک ثمر آور اور تناور درخت بنا دیا تھا۔ اسی لیے قیام حسینؑ کی بدولت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے افراد اسی ظلم اور طغیانی کے خلاف اٹھے۔ یزید اور یزید جیسوں کے خلاف جہاد کیا تا کہ اسلام کے اس ثمر بار درخت کی حفاظت کر سکیں۔ اسی راہ پر مختار اور جناب زید بن امام سجادؑ اور وہ دوسرے افراد جو شہادت کو اپنی آنکھوں میں سجائے رکھتے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس قدر جہاد پیہم کیا کہ بنو اُمیہ کے ذلیل و سیاہ کردار کو جھکا ڈالا اور ہمیشہ کے لیے اسے ذلت و خواری سے دوچار کر دیا اور اسلام کے شجر ثمر بار کو زندہ رکھا۔ اسی بات کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نتائج قیام حسینی کے ضمن میں ارشاد فرمایا تھا:

ان القتل الحسین حرارۃ فی قلوب المومنین لن تبرد ابداً

"شہادت حسین سے مومنین کے قلوب میں ایسی حرارت پیدا ہوگی جو کبھی بھی سرد نہیں ہوگی"۔

مکتب حسینی کی حفاظت

قیام امام حسینؑ کے جملہ نتائج اور ثمرات و آثار میں سے مقدم نتیجہ، اثر اور ثمر مکتب حسینی کی شکل میں ایک ایسی مشعل کا روشن ہوجانا ہے کہ جس سے تمام انسانیت (کیا شیعہ و کیا غیر شیعہ) مستفید ہوسکتے ہیں۔ آج جبکہ شہادت امام کو تقریباً چودہ صدیاں بیت گئی ہیں تو بھی لوگ حسینی درس گاہ سے درس حسینی لے رہے ہیں کہ جس کے موضوعات فداکاری، شجاعت، ایثار، جانثاری، وفاداری، پاکدامنی، دلیری اور جوان مردی پر مشتمل ہیں۔

□□□

۱۸

شمر بن ذی الجوشن اور ابن زیاد کے جرائم کیا تھے؟

جرائم شمر

شمر بن ذی الجوشن جب تک بنی اُمیہ کی دوستی میں بدمعاش رہا اس نے خاندان عصمت وطہارت اور ان کے اصحاب وشیعہ کے خلاف کسی بھی قسم کے گناہ وجرم سے دریغ نہیں کیا۔ اس کے سیاہ کارنامے درج ذیل ہیں:

① کوفہ میں حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو شہید کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

② امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے ابن زیاد کے شوق کو تقویت دی۔

③ کوفہ وشام کے دونوں لشکروں کی سالاری کا منصب حاصل کیا۔

④ نافع بن ہلال صحابی وجانثار امام حسینؑ کا قتل اسی ملعون نے کیا۔

⑤ امام حسینؑ کے خیموں پر حملہ کیا۔

⑥ امام حسینؑ کے سر کو بدن سے علیحدہ کیا۔

⑦ کربلا سے امام کے کٹے ہوئے سر کو لے جانے کی ذمہ داری بھی اسی نے سنبھال رکھی تھی۔

⑧ مختار اور اس کے لشکریوں سے جنگ کی۔

⑨ مختار کے غلام زوبی کو شہید کیا۔

عبیداللہ ابن زیاد کے جرائم

دراصل یزید ابن معاویہ کے بعد کربلا میں کیے گئے جرائم کا سب سے بڑا اور مجموعی طور پر دوسرا بڑا مجرم یہی شخص تھا اور یہی تھا کہ جس نے معرکۂ کربلا سے پہلے اور بعد میں سب سے زیادہ گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیا۔ اس کے جرائم کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① پہلے امیرِ شام کی طرف سے اور پھر یزید کی طرف سے بصرہ کا گورنر بن کر مسلط رہا اور اس دوران شیعیانِ کوفہ کے قتل سے دریغ نہیں کیا۔

② مسلمؑ بن عقیلؑ کے طرف داروں کو شہید کیا۔

③ مسلمؑ بن عقیلؑ کو شہید کیا۔

④ ہانیؑ بن عروہؑ کو شہید کر ڈالا۔

⑤ کوفیوں اور عراقیوں کو پوری تیاری سے مسلح کر کے امام حسینؑ سے جنگ کرنے بھیجا۔

⑥ امام حسینؑ کے قاصد عبداللہ بن یقطر کو قتل کر ڈالا۔

⑦ امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ اور اصحاب پر پانی بند کرنے کا حکم دیا۔

⑧ عمارؓ سے عظیم قوت اور طاقت سے جنگ کی۔ (ماہیت قیام عاشور، سید ابوفاضل رضوی اردکانی، ص نمبر ۵۴۹-۵۶۶)

□□□

۶۹

شمر بن ذی الجوشن کا انجام کیا ہوا؟

شمر بن ذی الجوشن کربلا کا حادثہ برپا کرنے کا اہم مجرم تھا۔ کوفہ کی شورشی جنگ کے بعد، مختار (جو چند گروہوں کی سالاری اور لیڈری انجام دے رہے تھے) کے خوف سے روپوش ہو گیا اور کوفہ سے فرار ہو جانے میں عافیت سمجھی۔ لیکن مختار اس خبیث شخص کے تعاقب میں تھے۔ ابو عمرہ کہ جو مختار کے نہایت قریبی دوست اور مخلص کارندے تھے اور جن کا دل قاتلانِ حسینؑ سے انتقام اور ان کی دشمنی سے لبریز تھا، مختار کی جانب سے شمر کے قتل پر مامور کیے گئے۔

ابو عمرہ ایک گروہ کی ہمراہی میں شمر کے تعاقب میں نکل پڑے اور اسے بصرہ کے قریب ایک گاؤں میں ڈھونڈ نکالا۔ ابو عمرہ نے ایک دلیرانہ جنگ کے بعد شمر لعین کو زخمی کیا اور پھر قیدی بنا کر ساتھ لایا اور مختار کے حوالے کر دیا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کی گردن کاٹ کر اس کے جسم کو تیل کی جلتی کڑاہی میں ڈال دیا جائے اور اس کے سر کو مختار کے ایک ساتھی نے اپنے پیروں کی ٹھوکروں سے روند ڈالا۔

شمر بن ذی الجوشن کا شمار کوفہ کے سرداروں اور شاطر لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ شخص امیر المومنین علیؑ کے زمانے میں ان کے اصحاب و انصار میں شمار ہونے لگا اور جنگ صفین میں امام علیؑ کی جانب سے لشکر امیر شام سے مقابل ہوا اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لیکن دور امیر شام میں مالی دنیا کے لالچ میں یہ راہِ راست کھو بیٹھا اور اپنی روح میں موجود نفاق کا شکار ہو کر خاندانِ رسالت کا دشمن بن گیا اور حکومت اُموی سے جا ملا۔

۶۰

ابن زیاد کا انجام کیا ہوا؟

ابن زیاد کہ جو کربلا کی مصیبت کو برپا کرنے والا دوسرا بڑا مجرم تھا۔ شام میں زندگی بسر کر رہا تھا کہ جب عبدالملک بن مروان نے تازہ تازہ شام کی زمام حکومت کو سنبھال لیا اور ابن زیاد کو عراق پر فرماں روا بنا کر مختار کی سرکوبی پر مامور کیا۔

مختار نے اپنے لشکریوں کو تیار کیا اور اس کی مکمل ذمہ داری اور سالاری ابراہیم بن مالک اشتر کے سپرد کی۔ یہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ ابراہیم نے شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اور لشکر ابن زیاد کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا اور ان کے متعدد سالاروں اور سرداروں کو واصل جہنم کیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ ابن زیاد تک آ پہنچا۔

ابراہیم نے اپنی تلوار سے ظالم کے اس کثیف و خبیث عنصر کو دو ٹکڑے کر دیا اور اس کے کٹے ہوئے سر کو مختار کے لیے تحفہ میں بھیج دیا اور پھر اس کے جسم کو نذر آتش کر دیا گیا۔ مختار کے لشکریوں کی ابن زیاد سے جنگ کرنے کی تاریخ عاشورہ ۶۷ ہجری تھی۔ ابن زیاد ٹھیک روز عاشورہ ابراہیم کی تلوار سے واصل جہنم ہوا۔

یہ محض ایک اتفاق نہ تھا بلکہ خدا نے بھی چاہا تھا کہ ٹھیک اسی روز کہ جب امام حسینؑ ابن زیاد کے لشکر کے ہاتھوں مظلومانہ شہادت کو پہنچے، اسی دن ان کے قاتل سے خون کا انتقام لیا جائے تاکہ وانتہا بصرۃ لاولی الابصار کے مصداق صاحبان خرد کے لیے نشان عبرت بن سکے۔ ابن زیاد کی عمر اس وقت انتالیس برس تھی۔

۶۱

عمر سعد کا انجام کیا ہوا؟

مختار نے جن دنوں، شہدائے کربلا کے خون کا انتقام لینے کی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا، اس وقت وہ عمر سعد کے بارے میں سب سے زیادہ حساس تھا۔ مختار کی جانب سے مصلتاً ایک امان نامہ عمر سعد کو دیا جا چکا تھا اور عمر سعد نے بھی مختار کے ہاتھ کوئی اور بہانہ اس طرح نہیں لگنے دیا۔ اس نے مختار کے خلاف کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ اس لیے اس شخص سے انتقام لینے میں قدرے تاخیر ہو گئی۔

جس وقت عمر سعد کو اس بات کا پتہ چلا کہ مختار اس کے قتل اور انتقام کے درپے ہے تو وہ راتوں رات ہی کوفہ سے فرار ہو گیا۔ وہ شہر کوفہ سے باہر نکلا تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی اور اس نے اسے اپنے فرار کا تمام واقعہ سنا ڈالا۔ اس شخص نے اسے گھر لوٹ جانے کی صلاح دی چنانچہ وہ گھر لوٹ گیا۔ مختار عمر سعد کے اس فرار سے باخبر ہو گیا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ اس نے عمر سعد کے بیٹے حفص کو بلا بھیجا۔ مختار نے اسے باپ کے بارے میں پوچھا تو حفص نے کہا کہ وہ گھر پر ہیں۔ مختار نے ابو عمرہ کو عمر سعد کو پکڑ کر لانے پر مامور کیا۔ ابو عمرہ فوراً گئے اور عمر سعد کو مختار کی جانب لے جانے کے لیے پکڑا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے کہا: "مجھے جبہ پہننے دو"۔ [1]

ابو عمرہ اس کی نیت سے آگاہ ہو گیا اور اسے کسی قسم کی مہلت نہ دیتے ہوئے

---

[1] جبہ اٹھانے سے مراد تھا شمشیر اٹھانا۔

اپنی تلوار کو عمر سعد کی گردن پر دے مارا اور اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ اس کے سر کو تن سے جدا کر کے مختار کی خدمت میں لے آیا۔ مختار نے اس کے بیٹے حفص کی جانب رخ کرتے ہوئے کہا: یہ سر کس کا ہے۔ اس نے کہا: میرے باپ کا۔ مختار نے اسی وقت حکم دیا کہ عمر سعد کے بیٹے کے سر کو بھی جدا کر کے باپ کے پاس بھیج دیا جائے۔ اس طرح عمر سعد اور اس کے بیٹے کو اپنے اعمال کی سزا اس دنیا میں ملی۔ (ماہیت قیام مختار، سید ابو فاضل رضوی اردکانی، ص ۴۹۱-۵۰۱)

□□□

۶۲

شہادتِ امام حسینؑ کے بعد کون کون سے قیام وقوع پذیر ہوئے؟

قیامِ امام حسینؑ کے بھرپور ثمر آور نتائج اور اثرات میں سے ایک ان قیام کا وجود پانا بھی ہے جن کے سبب لوگوں نے غاصب و ظالم حکومتوں کے پاؤں اکھاڑ کر بنو اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ان تمام انقلابات اور نہضت و قیام کی بنیاد و روحِ رواں واقعاً اور حقیقتاً واقعہ کربلا کا وجود تھا جس کی بنا پر فرزندِ رسولؐ کے ذریعے سے حکومت یزید اپنے انجام سے دوچار ہوئی اور جانثاری، بہادری، ایثار و شہادت کا جذبہ مسلمانوں میں بیدار ہوا۔

قیامِ امام حسینؑ ایک (ایک ایسا اعلان) تھا کہ جس کے باعث بنی اُمیہ کی ظالم، بے دین، فاسد اور سراسر کثیف حکومت کا راز آشکار ہو گیا اور لوگوں کو اس کے خلاف آمادہ پیکار کر دیا۔ ہم یہاں مختصراً اس قیام کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ جو قیام امام حسینؑ کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔

انقلاب مدینہ یا واقعہ حرّہ

شہادت امام حسینؑ کے بعد جس شہر میں شورش برپا ہوئی وہ مدینہ تھا کہ جہاں لوگوں نے اُموی حکومت پر ہاتھ ڈالا اور یہاں سے خاندانِ اُمیہ کو نکال باہر پھینکا۔

یہ قیام تواہین سے الگ ہے۔ اہل مدینہ نے اس ہدف کا اعادہ کیا کہ بنی اُمیہ کی اس حکومت کو نابود کرنا ہے جو اسلام کے عدم وجود کے لیے کوشاں اور موقع کی تلاش میں ہے۔ اس انقلاب کی واحد وجہ امام حسینؑ کی شہادت قرار پائی تھی۔ حضرت زینبؑ کبریٰ جب قید کے بعد مدینہ واپس آئیں تو اس انقلاب کی تشکیل میں گہرے نقوش مرتب ہوئے اور لوگوں میں حکومت یزید کے خلاف ایک تحریک نے فروغ پایا۔ سرداران مدینہ جمع ہوئے اور صلاح ومشوروں کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یزید کی حکومت کو معزول کردیا جائے۔ عبداللہ بن حنظلہ کو اس قیام کا رہبر قرار دے کر اس [illegible] بیعت کی جائے، یزید اور اس کے نمائندوں کو یہاں سے باہر نکال دیا جائے۔ [illegible] کے تحت اُموی حکومت کے فرمانروا اور دیگر تمام عناصر کو شہر سے باہر کردیا گیا اور عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت کرلی گئی۔

یزید نے اس مسئلہ کا فوری تدارک کرنے اور اہل مدینہ کی سرکوبی کے پیش نظر مسلم بن عقبہ کی سالاری میں اپنے سپاہیوں کو مدینہ کی جانب روانہ کیا۔ مسلم نے نہایت سختی وخشونت کے ساتھ پورے شہر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مدینہ کے انقلابیوں نے یزید کی سپاہ سے محفوظ رہنے کے پیش نظر شہر کے اطراف میں خندق کھود ڈالی لیکن چونکہ وہ بنیادی دفاعی قوت بھی نہ رکھتے تھے اس لیے مدینہ والوں نے مسلم کی قوت کے سامنے سقوط اختیار کیا اور پھر وہاں لوگوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ تین دن تک مدینہ اور اس کے شہری مسلم کے لشکریوں کے لیے مباح قرار پائے۔ یہ واقعہ ۶۳ ہجری میں رونما ہوا اور واقعہ حرّہ کے نام سے معروف قرار پایا۔ (کامل ابن تاثیر، جلد ۳، ص ۱۱۱)

عبداللہ بن زبیر کا قیام

تریسٹھ ہجری میں جب اہل مدینہ کا قیام عمل میں آیا تو دوسری طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیر نے شورش اختیار کی اور یزید کی حکومت کی مخالفت کا اعلان کیا۔ اگرچہ

ہم عبداللہ ابن زبیر کی شورش کو امام حسینؑ کے قیام کے اثرات سے شمار نہیں کرتے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ قیام امام حسینؑ نے عبداللہ بن زبیر کی شورش پر یہ اثرات ضرور مرتب کیے کہ اسے اُمویوں کے خلاف خروج پر آمادہ کیا۔ چونکہ عبداللہ بن زبیر کا مقصد جاہ طلبی، اقتدار خلافت و ریاست کا حصول تھا لہٰذا اس نے اسی نظریہ کے تحت امام حسینؑ کو اپنا رقیب تصور کرلیا تھا اس لیے وہ سرزمین حجاز پر امامؑ کے وجود کا متحمل نہ تھا۔

جب امامؑ مکہ میں مقیم تھے تو اس نے امامؑ سے عرض کیا: ''اگر میں کوفہ میں ایسے اصحاب رکھتا جیسے کہ آپ رکھتے ہیں تو ہرگز اس کی جانب جانے میں کوتاہی نہ کرتا''۔ عبداللہ بن زبیر کی مخالفت اور شورش کی خبر یزید کو موصول ہوئی تو اس نے اپنے اسی لشکر کو (جو مدینہ میں موجود تھا اور واپس نہ لوٹا تھا) مکہ میں اٹھی شورش کی سرکوبی پر مامور کردیا۔ سپاہ یزید اہل مدینہ کے قیام کا خاتمہ کرنے کے بعد مکہ کی جانب چل پڑی۔ اس سفر کے دوران سپہ سالار مسلم بن عقبہ مرگیا اور سپہ سالاری حصین بن نمیر کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

سپاہ یزید نے شہر مکہ کا محاصرہ کرلیا اور ابن زبیر کے پاس خانہ کعبہ میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ سپاہ یزید نے بیت اللہ پر منجنیقوں سے پتھر برسائے اور مسجد الحرام کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا۔ اسی دوران یزید کی موت کی خبر موصول ہوئی اور سپاہ یزید واپس لوٹ گئی۔ عبداللہ بن زبیر جنگ جمل میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف اپنے والد اور خالہ کے ہمراہ شریک تھے۔ وہ اپنی خالہ سے بے پناہ محبت کا اظہار بھی کرتے تھے اور اپنی کم سنی ہی سے خاندان عصمت و طہارت سے اپنی کھلی دشمنی، نفرت اور کینہ کا اظہار بھی کرتے تھے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ''عبداللہ کی سب سے بڑی خواہش اقتدار و حکومت کا حصول تھا''۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، جلد ۲، ص ۱۹۸)

قیام توابین

توابین وہ تھے جنھوں نے امام حسینؑ کی امداد نہ کرنے پر ندامت اور اپنے گناہ کا احساس کیا۔ ان لوگوں نے شہادت امام حسینؑ کے بعد اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ وہ ایک بہت بڑے اشتباہ کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے امامؑ کو دعوت آمد بھیجی تھی اسی لیے وہ یہ کہہ کر قیام کے لیے اٹھے کہ ہمارا گناہ سوائے شہادت کے کسی اور طریقے سے بخشوایا نہیں جا سکتا۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم حسینؑ اور ان کے اصحاب کے خون کا انتقام ان کے قاتلوں سے لیں۔

چنانچہ اکسٹھ ہجری میں ہی کوفہ کے شیعوں نے سلیمان بن صرد خزاعی، عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی، مسیب بن نجبہ فزاری، عبداللہ بن وال تمیمی و رفاعہ بن شداد بجلی کے ساتھ جمع ہو گئے اور ایک خفیہ تحریک کا آغاز کیا اور ایک انقلاب اور شورش کے لیے راہ ہموار کی۔ یزید کے مرنے کے بعد ۶۵ ہجری میں توابین زیارت و عقیدت کی غرض سے شہدائے کربلا کی قبروں کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر سیدالشہداؑ کی قبر پر جمع ہوئے، انتہائی گریہ کیا اور اشک افشاں آنکھوں سے ان جملوں کو کہتے رہے "یا پروردگار! ہم نے فرزند رسول کو خوار کر دیا اور ان کی مددگاری سے غفلت اور کوتاہی برتی، تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری توبہ کو قبول فرما کیونکہ تو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پروردگار ہے۔ اے پروردگار! تو روح حسینؑ اور ان کے حق پرست جانثار شہدا پر اپنی رحمت نازل فرما! اے پروردگار ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم اسی عقیدے پر ہیں کہ جس پر حسینؑ نے اپنی جان دی۔ پروردگار! اگر تو تم نے ہمارے گناہ معاف نہ کیے اور ہماری جانب نظر عنایت نہ کی تو ہم بدبخت و خسارہ پانے والوں میں شامل ہوں گے۔ [1]

اس قدم بوسی کے بعد وہ عراق و شام کی جانب روانہ ہو گئے اور مقام عین الوردہ پر دشمن کے روبرو ہو گئے۔ ابن زیاد نے تیس ہزار لشکریوں کو حکم دیا کہ اپنے مقابل دشمن

---

[1] یزید پانچ شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو ہلاک ہوا۔

کو گھیرے میں لے لیں۔ توابین کی کل تعداد چار ہزار تھی، انھوں نے اس نعرہ یا شعار سے الحسین سے جنگ کا آغاز کیا اور شہادت کی آرزو نے کر دشمن کے سپاہیوں سے ٹکرا گئے۔ انجام کار بیشتر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور بہت قلیل افراد کوفہ واپس چلے گئے۔

قیام مختار

تاریخ کی روشنی اور شیخ مفید کی تحقیق کے مطابق مسلم بن عقیلؑ جب کوفہ میں وارد ہوئے تو وہ مختارؓ کے پاس گئے تو مختارؓ نے ان کی حمایت اور پشت پناہی کی۔ مگر ابن زیاد نے مسلم بن عقیلؑ کے متعدد شیعوں اور حامیوں کو قتل کر ڈالا اور باقیوں کو زندان میں ڈال دیا۔ مختارؓ کی کوفہ بھر میں تلاش کی گئی اور اسے گرفتار کر کے سپرد زندان کر دیا گیا کیونکہ یہ مختار ہی تھے جو حکومت وقت کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔ مختار شہادت امام حسینؑ تک زندان میں زندگی گزارتا رہا۔ زائدہ بن قدامہ ثقفی کہ جو ابن زیاد کا درباری تھا ایک مرتبہ کسی اور سے ملاقات کے بہانے قید میں مختار سے ملا۔ مختار نے زندان میں اپنے پاسداروں میں سے کسی ایک قابل اعتماد شخص کے ذریعے سے یہ درخواست پہنچوائی کہ مختار کی مدد کرے اور اس کا ایک خط رازداری سے عبداللہ ابن عمر اور مختار کی ہمشیرہ صفیہ کو حجاز میں موصول ہوا۔ عبداللہ ابن عمر نے ایک خط یزید کو لکھا جس میں ابن زیاد کی قید سے مختار کی رہائی کا تقاضا تھا۔ یزید نے فوراً اس پر عمل کیا اور ابن زیاد کو لکھ بھیجا کہ مختار کو آزاد کر دو اور اسے تکلیف نہ دو۔

ابن زیاد کو یہ خط موصول ہوا تو وہ پابند ہوا کہ مختار کو چھوڑ دے لیکن پھر بھی اس نے مختار کو دھمکی دی کہ اسے تین دن کے اندر کوفہ چھوڑنا پڑے گا ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ مختار عازم مکہ ہوا اور عبداللہ ابن زبیر کے قیام تک وہاں مقیم رہا۔ مکہ میں قیام پر مختارؓ اور عبداللہ ابن زبیر میں اختلاف تھا اسی لیے وہ کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا کیونکہ [illegible] اپنے قیام کے لیے مناسب موقوں دیکھ رہا تھا۔

مختار کا کوفہ میں آنا اور توابین کا کوفہ سے اپنے قیام کا آغاز ایک ہی وقت میں ہوا۔ مختارؒ جو شہدائے کربلا کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے قیام کر رہے تھے، اس کا اعلان کوفہ میں کر دیا۔ قاتلین امام حسینؑ چونکہ کوفہ میں ہی مقیم تھے اس لیے مختار کے مقصد سے باخبر ہوئے اور عبداللہ ابن زیاد کے مقرر کردہ حاکم کوفہ کے پاس پہنچے اور ابن زیاد کی حکومت اور قاتلین حسینؑ کو مختار سے درپیش خطرے سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد کی حکومت کی جانب سے مقرر شدہ گورنر اور اس کی مشینری نے مختار کے گھر دھاوا بول دیا اور اسے گرفتار کر کے پھر قید کر دیا اسی لیے وہ توابین کے قیام کے دوران منظر عام سے دور قید میں تھا۔ توابین کے قیام کے بعد مختار نے ایک مرتبہ پھر عبداللہ ابن عمر کے ذریعے قید سے رہائی حاصل کی۔ ①

قید سے رہائی کے بعد مختار نے شیعوں سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا اور توابین کے قائدین سے اپنی حمایت کا اعلان کیا اور ایک بہت بڑے قیام اور انقلاب کے لیے میدان ہموار کیا۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ ہجری کو باقاعدہ طور پر اپنے قیام کا اعلان کر ڈالا اور اس کی ابتدا کرتے ہوئے قاتلین سید الشہداء کا خاتمہ کیا اور کوفہ کو ابن زیاد کے مقرر کردہ حاکم سے اور حادثۂ کربلا میں شامل افراد سے خالی کر ڈالا۔ شامیوں سے جنگ کی غرض سے مالک اشتر کے فرزند ابراہیم اشتر کی سرکردگی میں ایک لشکر موصل روانہ کیا جہاں ان کا ابن زیاد اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ ابراہیم اشتر نے ابن زیاد اور اس کے لشکریوں کا قتل عام کیا۔ خود ابراہیم کی تلوار نے ابن زیاد کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ابن زیاد کے نجس و پلید سر کو مختار کے پاس بطور ہدیہ روانہ کر دیا۔ اس طرح امام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے قاتلوں کا انجام مختار اور اس کے ساتھیوں کے ذریعے ہوا۔ □□□

---

① بعض ورثہ مختارؒ کو آٹھ ذی الحجہ بمطابق ۶۰ ہجری روز شہادت مسلم بن عقیل اور کہ سے امام حسینؑ کی روانگی کے دن قید کیا گیا۔

منابع

1 قرآن مجید
2 نہج البلاغہ
3 مقتل ابی مخنف
4 تاریخ طبری
5 ملحقات احقاق الحق
6 ارشاد مفید
7 مقتل خوارزمی
8 بحار الانوار علامہ مجلسی
9 الغدیر از علامہ امینی
10 منتخب التواریخ از فرہاسانی
11 ناسخ التواریخ از سپہر
12 الکامل از ابن اثیر
13 لہوف از سید ابن طاؤس
14 منتہی المقال از شیخ عباس قمی
15 منہاج الدموع از شیخ علی قرنی کلپہ کانپوری
16 شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید

17 ربیع الحزن، ترجمہ نفس المہموم

18 سلطان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا۔ محمد اسحٰق بھٹی

19 شہید جاوید از صالحی نجف آبادی

20 حماسہ حسینی از شہید مطہری

21 ارزیابی انقلاب حسین از محمد مہدی شمس الدین

22 قیام حسین از سید جعفر شہیدی

23 قیام حسینی در آئینہ اسناد تاریخ از عبدالکریم حسینی قزوینی ترجمہ علی طوی

24 زندگانی امام حسین از سید ہاشم رسول محلاتی

25 قیام امام حسین از ابن اعثم کوفی ترجمہ محمد بن احمد مستوفی

26 درسی کہ حسین بہ انسانہا آموخت از شہید ہاشمی نژاد

27 امام حسین و ایران از کورٹ فریلر

28 بررسی تاریخ عاشورا از ڈاکٹر آیتی

29 چشمہ خورشید دفتر اول

30 ماہیت قیام عاشورا از ابوفاضل رضوی اردکانی

مؤلف کی دیگر کتب

☆ طرق نوین در شناخت نہج البلاغہ (دوسرے ایڈیشن میں اس کتاب کا نام "مقاصد و مساقات نہج البلاغہ" دکھایا گیا ہے)

☆ تنزیہ انبیاء (آیت اللہ کے درس سے حاصل علم کی درسی تقاریر پر مبنی آدم تا خاتم، قرآن کی موضوعاتی تفسیر)۔

☆ درسہائے از امر بالمعروف و نہی از منکر (امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل داستانیں)

☆ مسجد در آئینہ قرآنی روایات (مسجد کی ضرورت و اہمیت، مسجد کے متعلق قصے، معنی و مطالب مسجد پر مبنی کتاب

ناشر

ادارہ القائم قائم بھروانہ تحصیل شورکوٹ

ضلع جھنگ